- کلمہ طیبہ کے معارف
- میرے بندے تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے
- بندہ مومن کریمین کے مابین
- خواتین میں توبہ کی ایک بات
- تین منزلیں تین رکاوٹیں
- مومن کے چھ غم
- ترتیب خداوندی
- اللہ کے ہر کام میں بہتری ہے
- مخلوق کی فطری رہنمائی
- علم نافع حاصل نہ ہونے کی وجوہات

پیر طریقت، رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلما والصلحا حضرت مولانا

پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

مکتبۃ الفقیر

خطباتِ فقیر جلد ۴۲

ازافادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

مرتب

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہٗ

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

041-2618003

نام کتاب ———— خطباتِ فقیر (جلد ۴۲)

ازافادات ———— حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب ———— ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہ

ناشر ———— مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت اوّل ———— مئی 2013ء

زیر سرپرستی

پروف ریڈنگ ———— مولانا مفتی عبدالنصیر صاحب
معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

کمپیوٹر کمپوزنگ ———— ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہ

تعداد ———— 1100

فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات
113	❁......نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیاری دعا
113	❁......چیخ اٹھا ہر بے گناہ، میں بھی گناہگاروں میں ہوں
115	④ خواتین میں توبہ کی ایک بات
116	❁......گناہ کے اثرات
116	❁...... طاعت سے محرومی
116	❁......دل کی بے چینی
117	❁...... دعائیں قبول نہیں ہوتیں
117	❁...... زوالِ نعمت
118	❁......گناہوں کے اثرات سے بچنے کا طریقہ
118	❁......توبہ کی شرائط
119	❁......توبہ کے بعد کرنے کے کام
119	❁......پہلا کام: برے دوستوں سے علیحدگی اختیار کرے
120	❁......دوسرا کام: توبہ میں تاخیر پر توبہ کرے
121	❁......تیسرا کام: نفس پر اعتماد نہ کرے
121	❁......چوتھا کام: طاعت کو اختیار کرے
122	❁......پانچواں کام: تائبین کے واقعات کا مطالعہ کرے
122	❁......ایک صحابیہ کی سچی توبہ کا واقعہ
123	❁......زنا کی سزا
126	❁......توبہ کے متعلق بعض اشکالات
126	❁......(۱) کبیرہ گناہ بہت سے کثرت سے ہوئے، کیسے معاف ہوں گے؟

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر
⑤ تین منزلیں تین رکاوٹیں	149

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات
182	❁......غفلت کیوں آتی ہے؟
183	❁......اکابر، اہلِ خانہ کو شریعت پر چلاتے تھے
183	❁......صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی احتیاط
184	❁......حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی احتیاط
184	❁......حضرت علی رضی اللہ عنہ کی احتیاط
185	❁......اہل وعیال تمہارے دشمن
186	❁......بیوی کا پہلا مطالبہ
186	❁......دوسرا غم: دنیا، آخرت سے غافل نہ کردے
187	❁......دنیا جادوگرنی ہے
188	❁......دنیا بڑی میٹھی ہے
189	❁......پچاسی سالہ بوڑھے کی لمبی امیدیں
189	❁......پوتے کی امامت میں نماز شروع کرنے کا عہد
190	❁......چہرے کی سنت حج پر موقوف
190	❁......مسکین بندہ
191	❁......تیسرا غم: شیطان اعمال کو باطل نہ کردے
192	❁......شیطان کے تین حربے
192	❁......پہلا حربہ: عمل کو مؤخر کروانا
193	❁......دوسرا حربہ: عمل میں وسوسے ڈالنا
194	❁......تیسرا حربہ: عمل کو ضائع کروانا
195	❁......چوتھا غم: کراماً کاتبین نافرمانی نہ لکھ لیں

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات
212	......ترتیب الٹ نہیں سکتی
212	......دوسری بات: آخرت کو سنوارنے سے دنیا سنور جاتی ہے
213	......اکابر کی مثالیں
213	......سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے ۳۶۵ لباس
213	......حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا بادشاہِ وقت پر اثر
213	......قبر میں لیٹے شخص کی حکومت
214	......حقیقی بادشاہ کون؟
215	......تیسری بات: اللہ سے تعلق سنوار لینے سے مخلوق سے تعلق سنور جاتا ہے
217	......ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نصیحت
217	......نافرمانی کا اثر
218	......چوتھی بات: دن کے اعمال سنوارنے سے رات کے اعمال سنور جاتے ہیں
219	**⑧ اللہ کے ہر کام میں بہتری ہے**
220	......بندگی کیا ہے؟
221	......ہماری کوتاہی
221	......سوچ کا انداز بدلنے کی ضرورت
222	......اللہ بندے کی بہتری چاہتے ہیں
223	......ایک کمپنی ڈائریکٹر کا واقعہ
224	......نعمتوں کے باوجود شکوے
225	......ایک سبق آموز واقعہ
227	......اللہ کے ہر کام میں خیر ہوتی ہے

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

عرض ناشر

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کے علوم ومعارف پر مبنی بیانات کوشائع کرنے کا یہ سلسلہ ''خطباتِ فقیر'' کے عنوان سے 1996ء بمطابق ۱۴۱۷ھ میں شروع کیا تھا اور اب یہ بیالیسویں (۴۲) جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس طرح شاہین کی پرواز ہر آن بلند سے بلند تر اور فزوں سے فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے کچھ یہی حال حضرت دامت برکاتہم کے بیاناتِ حکمت ومعرفت کا ہے۔ ان کے جس بیان کو بھی سنتے ہیں ایک نئی پروازِ فکر کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ کوئی پیشہ ورانہ خطابت یا یاد کی ہوئی تقریریں نہیں ہیں بلکہ حضرت کے دل کا سوز اور روح کا گداز ہے جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر آپ تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ بقولِ شاعر:

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ خانہ

چونکہ یہ صاحبِ دل کی بات ہوتی ہے اس لیے دلوں میں اثر کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت کے بیانات کو ایک قبولیتِ عامہ حاصل ہے۔ حضرت کے بیانات سے علما بھی مستفید ہوتے ہیں عوام بھی مستفید ہوتے ہیں۔ بڑے بھی رہنمائی حاصل کرتے ہیں، چھوٹے بھی سبق حاصل کرتے ہیں۔ مردوں کے دل کی دنیا بھی بدلتی ہے، خواتین کی

بھی اصلاح ہوتی ہے۔غرض کہ ہر طبقہ کے انسان کے لیے یہ خطبات مشعلِ راہ ہیں۔

''خطباتِ فقیر'' کی اشاعت کا یہ کام ہم نے اسی نیت سے شروع کیا کہ حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کی فکر سے سب کو فکر مند کیا جائے اور انہوں نے اپنے مشائخ سے علم وحکمت کے جو موتی اکٹھے کر کے ہم تک پہنچائے ہیں، انہیں موتیوں کی مالا بنا کر عوام تک پہنچایا جائے۔ یہ ہمارے ادارے کا ایک مشن ہے جو ان شاء اللہ سلسلہ وار جاری رہے گا۔قارئینِ کرام کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ اس مجموعۂ خطبات کو ایک عام کتاب سمجھ کر نہ پڑھا جائے کیونکہ یہ بحرِ معرفت کے ایسے موتیوں کی مالا ہے جن کی قدر و قیمت اہلِ دل ہی جانتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ صاحب خطبات کی بے مثال فصاحت و بلاغت، ذہانت وفطانت اور حلاوت و ذکاوت کا فقید المثال اظہار ہے جس سے اہلِ ذوق حضرات کو محظوظ ہونے کا بہترین موقع ملتا ہے۔

قارئینِ کرام سے گزارش ہے کہ اشاعت کے اس کام میں کہیں کوئی کمی یا کوتاہی محسوس ہو یا اس کی بہتری کے لیے تجاویز رکھتے ہوں تو مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں تا زیست اپنی رضا کے لیے یہ خدمت سر انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں اور اسے آخرت کے لئے صدقۂ جاریہ بنائیں۔

آمین بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فقیر سیف اللہ نقشبندی

مکتبۃ الفقیر فیصل آباد

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فقیر کو جب عاجز کے شیخ مرشد عالم حضرت مولانا پیر غلام حبیب نقشبندی مجددی نور اللہ مرقدہ نے اشاعت سلسلہ کے کام کی ذمہ داری سونپی تو ابتدا میں چند دن اپنی بے بضاعتی کے احساس کے تحت اس کام کے کرنے میں متذبذب رہا، لیکن حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بھانپ لیا، چنانچہ فرمایا کہ بھئی! تم نے اپنی طرف سے اس کام کو نہیں کرنا، بلکہ اپنے بڑوں کا حکم پورا کرنا ہے، کیوں نہیں کرتے؟ مزید فرمایا کہ جب کبھی مجلس میں بیان کے لیے بیٹھو تو اللہ کی طرف متوجہ ہو جایا کرو، بڑوں کی نسبت تمہاری پشت پناہی کرے گی۔ چنانچہ حضرت کے حکم اور نصیحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بندہ نے وعظ و نصیحت اور بیانات کا سلسلہ شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہوئی، حلقہ بڑھتا رہا اور الحمد للہ! شرکاء کو کافی فائدہ بھی ہوتا، کیونکہ ان کی زندگیوں میں تبدیلی عاجز خود بھی دیکھتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد چہار اطراف سے بیانات کے لیے دعوتیں آنا شروع ہو گئیں۔ شیخ کا حکم تھا، سرتابی کی مجال کہاں؟ جب بھی دعوت ملی رختِ سفر باندھا اور عازمِ سفر ہوئے۔ اس کثرت سے اسفار ہوئے کہ بعض اوقات صبح ایک ملک، دوپہر دوسرے ملک اور رات تیسرے ملک میں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ملکوں کو محلہ بنا دیا۔ اِس ناتواں میں یہ ہمت کہاں؟...... مگر وہ جس سے چاہیں کام لے لیتے ہیں۔ بقول شخصے ع

"قدم یہ اٹھتے نہیں اٹھوائے جاتے ہیں"

حقیقت یہ ہے کہ یہ میرے شیخ کی دعا ہے اور اکابر کا فیض ہے جو کام کر رہا ہے، وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔

بیانات کی افادیت کو دیکھتے ہوئے کچھ عرصے بعد جماعت کے کچھ دوستوں نے ان کو کتابی شکل میں مرتب کرنے کا سلسلہ شروع کیا، مکتبۃ الفقیر نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری اٹھائی، یوں ''خطبات فقیر'' کے عنوان سے نمبر وار یہ ایک سلسلہ چل پڑا۔ یہ عاجز کئی ایسی جگہوں پر بھی گیا جہاں یہ خطبات پہلے پہنچے ہوئے تھے اور وہاں علما وطلبا نے کافی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

ان خطبات کے مطالعے میں ایک بات یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ بیانات کا مجموعہ ہے، ان میں علمی غلطی یا بھول کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اس لیے معزز علمائے کرام سے گزارش ہے کہ جہاں کہیں کوئی غلطی دیکھیں تو اصلاح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ دعا ہے کہ جو حضرات بھی ان بیانات کی ترتیب و اشاعت میں کوشاں ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کی کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور انہیں اپنی رضا اپنی لقا اور اپنا مشاہدہ نصیب فرمائیں اور عاجز کو بھی مرتے دم تک اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

دعا گو و دعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

کان اللہ لہ عوضا عن کل شیء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (محمد:۱۹)

کلمہ طیبہ کے معارف

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 8 مارچ 2013ء بروز جمعہ، ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

کلمہ طیبہ کے معارف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ (محمد:۱۹)

وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

(ترمذی، حدیث: ۳۳۸۳)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

دل کی تین کیفیتیں:

دل کے کسی چیز کے ساتھ لگاؤ کی درجہ وار تین کیفیتیں ہوتی ہیں۔

① رغبت:

انسان کے دل کو جب کوئی چیز اچھی لگتی ہے، اس سے ایک تعلق اور میلان ہوتا ہے، اس کیفیت کا نام ''رغبت'' ہے، کہ میرے دل میں فلاں چیز کی رغبت پیدا ہوئی۔

② طلب:

جب یہ رغبت اور مضبوط ہوتی ہے تو پھر اس کیفیت کو''طلب'' کہتے ہیں، کہ میرے دل میں فلاں چیز کی طلب پیدا ہوگئی۔ رغبت کا تعلق صرف اچھا لگنے سے

تھا، طلب کا تعلق اس کو پا لینے کے داعیہ کے ساتھ ہے، تو یہ اس سے اوپر کی کیفیت ہے۔

③ محبت:

اور طلب اگر بڑھ جائے تو پھر ایک اور کیفیت بنتی ہے جس کو ''محبت'' کہتے ہیں۔ طلب میں پانے کو دل چاہتا ہے، لیکن محبت میں تو اس کے بغیر گزارا نہیں ہوتا، پھر چین نہیں آتا۔ اس کیفیت کو محبت کہتے ہیں۔

تو یہ تین کیفیتیں ہیں: رغبت، طلب اور محبت۔

محبت کی معراج:

تو ایک کیفیت محبت سے بھی اوپر کی ہے جس کو محبت کی معراج کہتے ہیں۔ ایک دفعہ اس عاجز نے نوجوانوں سے پوچھا: بتاؤ! محبت کی معراج کیا ہے؟ کسی نے کہا: محبوب کی خاطر جان لٹا دینا...... مال لٹا دینا...... پہاڑ سے چھلانگ لگا دینا...... سب نے نوجوانوں والی باتیں کیں۔ جب سب نے اپنی اپنی باتیں کرلیں تو پھر وہ کہنے لگے: اچھا جی! آپ بتا دیں محبت کی معراج کیا ہے؟ تو اس عاجز نے ان کو کہا: دیکھو!

> محبت کی معراج یہ ہے کہ محبت دل میں اتنی بڑھے، اتنی بڑھے کہ محبّ مجبور ہو کر اپنا سر اپنے محبوب کے قدموں پر رکھ دے۔ یعنی اپنے محبوب کو اپنا معبود بنا لے، یہ محبت کی معراج ہے۔

اب ذرا غور کیجیے کہ ہم جب پڑھتے ہیں: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو ہم اللہ تعالیٰ سے عہد کر رہے ہوتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے دل میں جو محبتوں کی اعلیٰ ترین کیفیت ہے، وہ فقط آپ کی ذات کے لیے ہے۔ تو یہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا

کوئی چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ اس کی اہمیت دیکھیے! ہم بہت بڑا عہد کر رہے ہوتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے ایک وعدہ کر رہے ہوتے ہیں کہ اے اللہ! میری محبتوں کی جو انتہا ہوگی وہ فقط آپ کے لیے ہوگی۔

رغبت، طلب، محبت اور عبادت کس کے لیے؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو بہت پسند کیا کہ تمہارے دل میں

......رغبت ہو تو بھی اللہ کی

......طلب ہو تو بھی اللہ کی

......محبت ہو تو بھی اللہ کی

......اور عبادت ہو تو بھی اللہ کی۔

○ چنانچہ ایمان والوں کا تذکرہ کیا کہ وہ کہتے ہیں:

﴿اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ﴾ (التوبۃ:۵۹)

تو معلوم ہوا کہ رغبت ہو تو کس کی ہو؟ اللہ کی ہو۔

○ پھر طلب کی بات آئی۔ قرآن مجید میں جو اللہ کے سوا کسی اور کو مطلوب بناتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ﴾ (الحج:۷۳)

''یہ طلب کرنے والا اور جس کو طلب کیا جا رہا ہے دونوں ضعیف ہیں''

اس کا مطلب ہے طلب ہو تو کس کی ہو؟ فقط اللہ کی ہو۔

○ پھر محبت کی بات آئی تو فرمایا:

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرۃ:۱۶۵)

ایمان والوں کی پہچان یہ ہے کہ ان کو اللہ سے شدید محبت ہوتی ہے۔ یعنی

محبت ہوتو کس کی ہو؟ فقط اللہ کی۔

○ اور جب عبادت کی بات آئی تو فرمایا:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾

''اے محبوب! جان لیجیے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

سوچنے کی بات ہے کہ جو پروردگار تعلق کی ابتدائی کیفیت رغبت کو بھی غیر کے لیے پسند نہیں کرتا، وہ اس کی انتہا عبادت کو غیر کے لیے کیسے پسند کرسکتا ہے؟ اس لیے فرمایا کہ جان لو کہ عبادت فقط اللہ رب العزت ہی کا حق ہے۔

قرآنی تعلیمات کا نچوڑ:

اور پورے قرآن مجید کی تعلیمات کا یہی نچوڑ ہے۔ دیکھیں! جو لوگ تفسیر کے ساتھ ذوق رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ابتدائی پارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کی طرف راغب کیا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ﴾ (البقرۃ:۲۱)

''اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی''

تو یہاں متوجہ کردیا کہ سب کو چھوڑو، سب کی نفی کرو، رب کی عبادت کرو۔ جب تھوڑا آگے بات بڑھی تو پھر مدعا بیان کردیا، فرمایا:

﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ (البقرۃ:۱۶۳)

''اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے''

یہ ایک مقصد بیان کردیا۔ جیسے کوئی بیان کرتا ہے تو وہ تمہید کے بعد اصل مقصد بتادیتا ہے، تو قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے مقصد بتادیا کہ اس قرآن کا، اس دین کا، اس شریعت کا مقصد کیا ہے؟ ﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ پھر آگے

تفصیل بتاتے ہیں کہ جن قوموں نے مانا، ان کو یہ انعام ملا اور جن قوموں نے نہیں مانا، ان کے ساتھ یہ ہوا۔ تذکرے کرتے کرتے پھر درمیان میں سبق یاد کروایا:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾

پھر آگے تذکرے ہوتے رہے، آخر پر جب بات ختم ہونے کا وقت آیا تو اللہ رب العزت نے ایک مستقل سورت، سورت اخلاص نازل فرمائی، جس کو ہم ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کہتے ہیں۔ یہ پورے قرآن مجید کی تعلیمات کی سمری (خلاصہ) ہے۔ جیسے بیان ختم کرنے سے پہلے مقرر اپنی پوری بات کا لب لباب بیان کرتا ہے، ایسے ہی یہ پوری قرآنی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ کیا ہے؟

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾

یہ پوری قرآن مجید کی تعلیمات کا نچوڑ ہے، جو شریعت نے بتا دیا۔ معلوم ہوا کہ قرآن مجید انسان کو توحید کا سبق دینے کے لیے آیا ہے۔

یہ سورۃ اللہ تعالیٰ کو اتنی اچھی لگتی ہے کہ حدیث مبارکہ میں ہے:

((مَنْ قَرَاَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ عَشَرَ مَرَّاتٍ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ))

(کنز العمال، حدیث: ۲۷۳۱)

''جو شخص دس مرتبہ یہ سورت پڑھ لے گا، اللہ اس کے بدلے جنت میں گھر عطا فرما دیں گے۔''

اخلاص بنیادی شرط ہے:

اس کلمہ کی فضیلت اور برکت کو پانے کے لیے ضروری ہے کہ اسے اخلاص

کے ساتھ پڑھا جائے۔

○ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

((مَا مِنْ عَبْدٍ یَّشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَی النَّارِ)) (صحیح مسلم: ۶۱/۱)

''جو بندہ بھی اخلاص کے ساتھ یہ کلمہ پڑھتا ہے، اللہ جہنم کی آگ اس پر حرام فرما دیتے ہیں۔''

○ عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَی النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَبْتَغِیْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ))

(جامع العلوم والحکم: ۲۰۹/۱)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اس بندے پر جہنم کی آگ حرام کر دی ہے جو اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہے''

اب ان احادیث میں کلمہ پڑھنے کا تذکرہ تو ہے، مگر ساتھ ایک شرط بھی ہے کہ مقصود اللہ کی رضا ہو۔

○ ایک حدیث میں فرمایا:

((مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ))

''جس بندے نے اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ پڑھا وہ جنت میں داخل ہوگا''

ایک صحابی نے پوچھا:

وَمَا اِخْلَاصُهَا؟

''اے اللہ کے حبیب! اخلاص کیا ہے؟''

فرمایا کہ یہ کلمہ تجھے گناہوں سے روک دے، یہ کلمہ کا اخلاص ہے۔

(مجمع الزوائد: ۱/۱۶۲)

○ ایک حدیث پاک میں آیا: مُسْتَيْقِنًا یقین کے ساتھ کلمہ پڑھے۔

(کنز العمال، حدیث: ۱۱۲)

○ ایک حدیث مبارک میں بِصِدْقِ لِسَانِهٖ کا لفظ ہے۔

○ ایک حدیث پاک میں ہے کہ يَقُوْلُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِّنْ قَلْبِهٖ دل کی سچائی کے ساتھ پڑھے۔ (اتحاف الخیرۃ المہرۃ للبوصیری: ۶/۴۱۳)

○ ایک حدیث پاک میں فرمایا:

فَذَلَّ بِهَا لِسَانُهٗ وَ اطْمَئَنَّ بِهَا قَلْبُهٗ (کنز العمال، حدیث: ۱۸۹) تو کلمے کی قبولیت کے لیے اخلاص ضروری ہے۔

کلمہ طیبہ پڑھنے میں شرائط:

علما نے لکھا ہے کہ کلمہ پڑھنے کی چند شرائط ہیں، جن سے اس کی قبولیت ہوتی ہے۔

① علم:

پہلی شرط علم ہے۔ یہ علم ہو کہ میں پڑھ کیا رہا ہوں؟ یہ نہیں کہ پتہ ہی نہیں کہ میں عبارت کیا پڑھ رہا ہوں اور لغت غریب سمجھ کر عبارت کو پڑھ لے۔ ایسے پڑھا ہوا کلمہ قبول نہیں ہوتا۔ اس کو پتہ ہونا چاہیے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ اس لیے فرمایا:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾

علم کا ہونا ضروری ہے۔

② یقین:

پھر یقین کے ساتھ پڑھے۔فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا﴾ (الحجرات:۱۵)

''ایمان لانے والے تو وہ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو دل سے مانا ہے، پھر کسی شک میں نہیں پڑے''

شک نہ ہو یقین کے ساتھ پڑھے، پھر قبول ہوگا۔

﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ﴾ (ص:۵)

''کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود میں تبدیل کر دیا ہے؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے''

③ انقیاد:

پھر انقیاد و استسلام ضروری ہے۔جیسے فرمایا:

﴿وَ اَنِیْبُوْا اِلٰی رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ﴾ (الزمر:۵۴)

''اور تم اپنے پروردگار سے لو لگاؤ اور اس کے فرمانبردار بن جاؤ''

④ صدق:

پھر صدق یعنی دل کی سچائی بھی ضروری ہے۔فرمایا:

﴿وَ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖ﴾ (الزمر:۳۳)

''اور جو لوگ سچی بات لے کر آئیں اور اور خود بھی اسے سچ مانیں وہ ہیں جو متقی ہیں''

۵ اخلاص:

کلمہ پڑھنے میں اخلاص بھی بہت ضروری ہے۔

﴿وَمَا أُمِرُوٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (البینۃ:۵)

''اور انہیں اس کے سوا کوئی اور حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ بندگی کو بالکل یکسو ہو کر صرف اسی کے لیے خالص رکھیں''

۶ محبت:

اور پھر یہ کہ محبت ضروری، کہ ایسا کلمہ پڑھے کہ اللہ سے محبت سب محبتوں پر غالب آجائے۔ فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ

''(اے پیغمبر! مسلمانوں سے) کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان، اور وہ مال و دولت جو تم نے کمایا ہے، اور وہ کاروبار جس کے مندا ہونے کا تمہیں اندیشہ ہے، اور وہ رہائشی مکان جو تمہیں پسند ہے''

سبحان اللہ! ساری چیزوں کا نام لے کر کہا کہ اگر ان ساری چیزوں کی محبت:

﴿اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ (التوبۃ:۲۴)

''تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے، اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں، تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمادے۔''

تو لب لباب بتا دیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری محبت تمام محبتوں پر غالب ہو۔ ؎

تو عرب ہے یا عجم ہے تیرا لا الہ الا
لغتِ غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

جب تک دل گواہی نہ دے یہ لا الہ الا کے الفاظ لغت غریب کے مانند ہیں۔ تو دل تصدیق کرے کہ میں اپنے اللہ کو اپنا محبوبِ حقیقی بنا رہا ہوں، معبودِ حقیقی بنا رہا ہوں، میں اللہ کی محبت میں کسی غیر کو شریک نہیں کروں گا۔

کلمہ طیبہ کے فضائل قرآن میں

قرآن مجید میں اس کلمے کے بہت فضائل آئے ہیں۔

❁ قرآن میں اس کو کلمہ طیبہ کہا:

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ﴾ (ابرھیم: ۲۴)

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان کی ہے؟ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے، جس کی جڑ (زمین میں) مضبوطی سے جمی ہوئی ہے، اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔''

❁ اس کو کلمہ تقویٰ کہا، فرمایا:

﴿وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا﴾ (الفتح:۲۶)

''اوران کوتقوی کی بات پر جمائے رکھا، اور وہ اسی کے زیادہ حق دار اور اس کے اہل تھے''

❁ اس کوکلمہ حق بھی کہا گیا، فرمایا:

﴿اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (الزخرف:۸۶)

''ہاں البتہ جن لوگوں نے حق کی گواہی دی ہو، اور انہیں اس کا علم بھی ہو''

❁ اس کوکلمہ باقیہ کہا، فرمایا:

﴿وَ جَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (الزخرف:۲۸)

''اورابراہیم نے اس (عقیدے) کو ایسی بات بنادیا جوان کی اولاد میں باقی رہی، تاکہ لوگ (شرک) سے باز آئیں''

❁ اس کو عہد کہا گیا، فرمایا:

﴿لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾

(مریم:۸۷)

''لوگوں کوکسی کی سفارش کرنے کا اختیار بھی نہیں ہوگا، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے خدائے رحمان کی اجازت حاصل کرلی ہو''

جو یہ کلمہ پڑھتا ہے اس کا اللہ سے عہد ہو جاتا ہے، اللہ کے ساتھ ایک اگریمنٹ ہو جاتا ہے۔

❁ اس کو حسنیٰ کہا:

﴿وَ اَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ

لِلْیُسْرٰی﴾ (اللیل:۵،۶،۷)

''اب جس کسی نے (اللہ کے راستے میں مال) دیا، اور تقوی اختیار کیا اور سب سے اچھی بات کو دل سے مانا تو ہم اس کو آرام کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرادیں گے''

❁ اس کو حسنہ بھی کہا، فرمایا:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا﴾ (القصص:۸۴)

''جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اس کو اس سے بہتر چیز ملے گی''

❁ اور اس کو عروۃ الوثقی کہا:

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ (البقرۃ:۲۵۶)

''اس کے بعد جو شخص طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے گا، اس نے ایک مضبوط کنڈا تھام لیا۔''

❁ اس کو قولِ ثابت کہا، فرمایا:

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ (ابراہیم:۲۷)

''جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ ان کو اس مضبوط بات پر دنیا میں بھی جماؤ عطا کرتا ہے اور آخرت میں بھی''

❁ اور ایک اس کی فضیلت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسی کی وجہ سے اپنا دیدار کروائے گا۔ فرمایا:

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ (یونس:۲۶)

''جن لوگوں نے بہتر کام کیے ہیں، بہترین حالت انہی کے لیے ہے، اور اس سے بڑھ کر کچھ اور بھی''

* اور اسی کے لیے اللہ نے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ انہیں صرف اس کلمہ کو دینے کے لیے مبعوث فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (الانبیاء:۲۵)

کیا بات ہے! ماشاءاللہ! اے محبوب! آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاء آئے سب کا ایک ہی مقصد تھا، کیا؟

﴿اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾

کلمہ طیبہ کے فضائل احادیث میں

احادیث مبارکہ میں بھی اس کلمہ طیبہ کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔ انسان اس دنیا میں جب آتا ہے تو کلمہ سے اس کا استقبال کیا جاتا ہے۔ کیسے؟ کہ بچے کے ایک کان میں اذان اور دوسرے میں اقامت کہی جاتی ہے۔ اور اذان دیتے ہوئے ہم کلمہ طیبہ ہی تو کہہ رہے ہوتے ہیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اقامت کہتے ہوئے بھی یہی کہتے ہیں۔ تو بچے کا استقبال ہی اس کلمے کے ساتھ ہوتا ہے۔

بہترین ذکر:

اور یہ افضل الذکر ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

((اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) (ترمذی، حدیث:۳۳۸۳)

انبیاء کی سب سے بہترین بات:

ایک حدیث پاک میں آتا ہے:

((اَفْضَلُ مَا قَالَهُ هُوَ وَالنَّبِيُّوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ))

(المنتقی شرح الموطا: ۳۷۶/۲)

انبیاء نے جو کہا، اس میں سے سب سے افضل جو بات انہوں نے کہی تھی وہ یہی تھی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ۔

چنانچہ ایک اور حدیث پاک ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ

''بہترین دعا یوم عرفہ کی دعا ہے۔''

وَخَيْرُ مَا قُلْتُ اَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِيْ

اور سب سے بہترین بات جو میں نے کہی اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کہی، وہ ہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (ترمذی، حدیث: ۳۵۸۵)

سب سے بہترین نیکی:

پھر یہ احسن الحسنات ہے۔ ایک صحابی ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ پڑھنا نیکیوں میں سے ہے؟ فرمایا:

((هِيَ اَحْسَنُ الْحَسَنَاتِ))

''کہ یہ نیکیوں میں سے بہترین نیکی ہے۔''

(اتحاف الخیرۃ المہرۃ للبوصیری: ۴۰۹/۶، جامع العلوم والحکم: ۱۵۸/۱)

ایمان کا بہترین شعبہ:

اور شعب الایمان میں سے سب سے اعلیٰ نمبر اس کا ہے۔ چنانچہ حدیث مبارکہ ہے:

((اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّ سَبْعُوْنَ شُعْبَۃً اَعْلَاھَا شَھَادَۃُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَدْنَاھَا اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ)) (صحیح ابن حبان، حدیث: ۱۹۱)

''ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں، ان میں سے سب سے اعلیٰ لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا اور سب سے ادنی راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے''

گردنوں کو عذاب سے چھڑوانے والا کلمہ:

یہ وہ کلمہ ہے کہ جس سے گردنیں عذاب سے نجات پا جاتی ہیں۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس نے بھی صبح کے وقت یہ کلمہ دس مرتبہ پڑھا:

((کُتِبَ لَہٗ عِتْقُ عَشْرِ رِقَابٍ مِّنْ وُّلْدِ اِسْمَاعِیْلَ))

''اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے دس غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب اس کو عطا کیا جائے گا۔'' (کنز العمال، حدیث: ۳۵۲۵)

ایمان کو تازہ کرنے والا کلمہ:

اور اس کے پڑھنے سے ایمان ریفریش ہو جاتا، نبی علیہ السلام نے فرمایا:

جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ

''ایمان کی تجدید کر لیا کرو''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

كَيْفَ نُجَدِّدُ اِيْمَانَنَا

''ہم ایمان کی تجدید کیسے کریں؟''

فرمایا: اَكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

'' لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی کثرت کیا کرو، اس سے ایمان کی تجدید ہو جاتی ہے۔'' (جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۱۱۳۶۷)

بندے اور اللہ کے درمیان پردے ہٹانے والا کلمہ:

یہ وہ کلمہ ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان جتنے حجاب ہیں سب کو ہٹا دیتا ہے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَيْسَ لَهَا دُوْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ حَتّٰى تَخْلُصَ اِلَيْهِ

جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتا ہے سب حجاب ہٹ جاتے ہیں، یہ کلمہ اللہ رب العزت تک پہنچ جاتا ہے۔ (ترمذی، حدیث: ۳۵۱۸)

اللہ کی طرف سے جواب:

جب انسان اس کلمے کو پڑھتا ہے تو اللہ اس پڑھنے والے کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ عجیب چیز ہے کہ ہم کوئی کلام اپنی زبان سے نکالیں اور اللہ کی طرف سے اس کا جواب آئے۔ ذرا سوچیں! کہ کسی بات پر محبوب کی طرف سے پیغام آجائے تو محب کے لیے کیا مزہ ہے!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اِذَا قَالَ الْعَبْدُ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ صَدَّقَهٗ رَبُّهٗ، قَالَ: صَدَقَ عَبْدِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَ اَنَا اَكْبَرُ)) (مسند ابی یعلی، حدیث: ۱۲۵۸)

''جب کوئی بندہ کلمہ پڑھتا ہے، اللہ جواب میں یہ الفاظ کہتے ہیں: ہاں! میں ہی ہوں جو عبادت کے لائق ہوں اور مجھ سے بڑا کوئی نہیں ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی محبت کی نظر:

جو بندہ یہ کلمہ پڑھتا ہے، اللہ رب العزت اس کو پیار سے دیکھتے ہیں، محبت سے دیکھتے ہیں۔ ذرا سوچیے تو سہی! بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو وہ کئی دفعہ کوئی بات کر دیتا ہے، تو ماں باپ اسے بڑی محبت سے دیکھتے ہیں۔ یہ کلمہ ایسی عبادت ہے کہ جو بندہ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے کو محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ جس بندے نے یہ کلمہ اخلاص کے ساتھ پڑھا

((اِلَّا فَتَقَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ لَہُ السَّمَآءَ فَتْقًا حَتّٰی یَنْظُرَ اِلٰی قَائِلِھَا مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ))

''جو زمین میں پڑھنے والا ہوتا ہے، اللہ رب العزت اس کی طرف (محبت کی نظر) دیکھتے ہیں''

اور پھر اگلی بات فرمائی

((وَحُقَّ لِعَبْدٍ نَظَرَ اللّٰہُ اِلَیْہِ اَنْ یُّعْطِیَہٗ سُؤْلَہٗ))

''ہر وہ بندہ جس کو اللہ محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں اس کا حق ہوتا ہے کہ وہ اللہ سے جو مانگے اللہ عطا فرمادے۔'' (الترغیب والترہیب: ۲/۲۷۰)

گناہوں کی مغفرت کرانے والا کلمہ:

چنانچہ اس کلمے کو پڑھنے سے سارے کے سارے گناہ دھل جاتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا تَتْرُكُ ذَنْبًا وَلَا یَسْبِقُھَا عَمَلٌ))

(جامع العلوم والحکم: ۱/۱۶۸)

''کوئی گناہ بچتا نہیں اور کوئی عمل اس سے بڑھتا نہیں ہے''

یعنی اللہ تعالیٰ بندے کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

ایک دفعہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو فرمایا: ہاتھ اٹھاؤ اور کلمہ پڑھو، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہاتھ اٹھائے اور نبی علیہ السلام نے بھی ہاتھ اٹھائے اور پھر فرمایا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ بَعَثْتَنِیْ بِهٰذِهِ الْكَلِمَةِ وَ اَمَرْتَنِیْ بِهَا وَ عَدْتَّنِیْ الْجَنَّةَ عَلَیْهَا وَاِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ))

''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ اے اللہ! آپ نے مجھے اس کلمے کے ساتھ مبعوث فرمایا اور مجھے اس کا حکم فرمایا اور اس پر جنت کا وعدہ کیا، بے شک آپ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے۔''

((ثُمَّ قَالَ: اَبْشِرُوْا! فَاِنَّ اللهَ قَدْ غَفَرَ لَكُمْ)) (جامع العلوم والحکم: ۱/۳۹۸)

''پھر فرمایا: خوش ہو جاؤ! اللہ نے تمہارے گناہوں کو معاف فرما دیا۔''

قبر کی وحشت سے نجات دلانے والا کلمہ:

اور یہ کلمہ قبر کی وحشت سے انسان کو بچاتا ہے، بیہقی شریف کی روایت ہے:

((لَيْسَ عَلٰى اَهْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْشَةٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ وَلَا فِیْ نُشُوْرِهِمْ))

(شعب الایمان، حدیث: ۹۹)

''جو کلمہ پڑھنے والے لوگ ہوں گے، ان کے لیے قبر و حشر میں کوئی وحشت نہیں ہوگی۔''

کلمہ، اہلِ ایمان کا شعار:

اور یہ ایمان والوں کا شعار ہوگا، جب وہ قیامت والے دن قبر سے اٹھیں

گے۔فرمایا:

((شِعَارُ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ ظُلَمِ الْقِيَامَةِ: لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ))

(کنزالعمال، حدیث: ۳۹۰۳۳)

''قیامت کے دن اس امت کا شعار لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ ہوگا''

سب سے زیادہ وزنی کلمہ:

اوراس کے ساتھ کوئی چیز وزن میں مقابلہ نہیں کرسکتی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا: اللہ! مجھے وہ چیز دیں جو پڑھنے میں خاص ہو۔فرمایا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھو۔آپ نے فرمایا: اللہ! یہ تو سب پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے پیارے موسیٰ!

لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَ عَامِرَهُنَّ غَيْرِيْ وَ الْاَرَضِيْنَ السَّبْعَ فِيْ كَفَّةٍ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِيْ كَفَّةٍ مَالَتْ بِهِمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (کنزالعمال: ۱۹۰۷)

''ایک پلڑے میں زمین وآسمان سارے کے سارے رکھ دیے جائیں، دوسرے میں کلمہ رکھ دیا جائے تو کلمے والا پلڑا جھک جائے گا۔''

جنت میں پہنچانے والا کلمہ:

اور یہ جنت کی قیمت ہے۔حدیث پاک میں آیا:

((مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ)) (ابوداود، رقم: ۳۱۱۸)

''جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوا وہ جنت میں داخل ہوگا''

حدیث پاک میں ہے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((مَنْ قَالَ: (اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَ اَنَّ عِيْسٰى عَبْدُ اللّٰهِ وَ ابْنُ اَمَتِهٖ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى

مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ وَ اَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَاَنَّ النَّارَ حَقٌّ) اَدْخَلَهُ اللهُ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ شَاءَ)) (صحیح مسلم: ۱/۵۷)

جو بندہ یہ کلمات کہے گا اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں، جس دروازے سے چاہے چلا جائے۔ سبحان اللہ!

کلمہ کی برکت سے عذاب جہنم سے چھٹکارا:

اور ایک حدیث پاک میں ہے کہ کچھ لوگ ہوں گے، جو صرف کلمہ پڑھ لیں گے، عمل اتنے اچھے نہیں ہوں گے، غفلت کی زندگی گزاریں گے۔ ان کو جہنم میں ڈالا جائے گا اور وہ جہنم میں ہزاروں سال جلیں گے، حتیٰ کہ جل جل کر کالے ہو جائیں گے اور پھر جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے، اللہ تعالیٰ ان کلمہ پڑھنے والوں کو اور جو مشرکین ہوں گے ان کے درمیان کی آگ کو اس وقت اپنی قدرت سے ٹرانسپیرنٹ (شفاف) کر دیں گے۔ مشرکین ان کو دیکھیں گے تو کہیں گے:

((وَ يَقُوْلُ لَهُمْ اَهْلُ اللَّاتِ وَ الْعُزّٰى: مَا اَغْنٰى عَنْكُمْ قَوْلُكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ))

''لات وعزیٰ والے ان کو کہیں گے کہ تمہیں لا الہ الا اللہ نے کیا فائدہ دیا؟''

ہم تو لات وعزیٰ کی عبادت کرتے تھے، ہم تو جل رہے ہیں، تمہیں تمہارے کلمے نے کوئی فائدہ نہ دیا کہ تم بھی جل رہے ہو۔

((فَيَغْضَبُ اللهُ لَهُمْ فَيُخْرِجُهُمْ))

(جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۷۵۸۴)

''اللہ رب العزت کو جلال آئے گا، اللہ تعالیٰ ان کو جہنم سے نکال کر جنت

میں داخل کر دیں گے۔''

اللہ اکبر کبیرا!

کلمہ طیبہ کے فضائل، مشائخ عظام کی نظر میں:

یہ فضائل آپ نے وہ سنے جو علما کی کتابوں میں لکھے ہیں، اب ذرا وہ فضائل بھی سن لیجیے جو ہمارے مشائخ کی کتابوں میں درج ہیں۔ شاید وہ آپ کے لیے کچھ نئی بات ہوگی۔

شرک کی دو قسمیں:

ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ شرک دو طرح کا ہوتا ہے۔

ایک ہوتا ہے شرک جلی۔

اور دوسرا ہوتا ہے شرک خفی۔

شرکِ جلی تو یہ ہے کہ بت کی پوجا کرنا، قبر کو سجدے کرنا، درخت کو سجدے کرنا، جیسے ہندو اور غیر لوگ کرتے ہیں، اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہیں، یہ بھی حرام ہے۔ ایک شرک خفی ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ کے حکم کو چھوڑ کر نفس کی چاہت پر چلنا، یہ نفس کی پوجا ہے، یہ اللہ کی پوجا نہیں ہے۔ اس لیے فرمایا:

﴿ اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ ﴾ (الفرقان: ۴۳)

''کیا دیکھا آپ نے اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا؟''

تو یہ شرک خفی ہے اور اس سے بھی بچنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا شرک جلی سے بچنا ضروری ہے۔ نفس پرستی، زن پرستی، زر پرستی، سب کی سب بت پرستی کی

اقسام ہیں، خدا پرستی کوئی اور چیز ہے۔تو اب ہمیں اپنی کیفیت پر غور کرنا ہے کہ ہم موحد ہیں یا ابھی بھی مشرک ہی ہیں۔ ظاہر میں تو ہم نے کلمہ پڑھ لیا، ہم اپنے آپ کو موحد سمجھتے ہیں، لیکن

رب نے کہا: آنکھ جھکاؤ، جب کہ ہم غیر محرم کو دیکھتے ہیں۔

رب نے کہا: جھوٹ مت بولو، ہم جھوٹ بولتے ہیں۔

اگر ہم خلاف شریعت کام کر کے اپنے نفس کی خواہش کو پورا کر رہے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری توحید ادھوری ہے، پوری توحید نہیں ہے۔ توحید کامل تب ہوگی جب شرک جلی سے بھی بچیں گے، شرک خفی سے بھی بچیں گے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس طرح اندھیرے میں چیونٹی چلتی ہے اور ڈھونڈنا مشکل ہوتا ہے، شرک اسی طرح دلوں کے اندر ہوتا ہے، ڈھونڈنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

سچا موحد بنانے کی محنت:

ہمیں اب اس پر محنت کرنی ہے کہ ہمارے دلوں میں ایمان اتنا مضبوط ہو جائے، مضبوط سے اضبط ہو جائے کہ ہم نفس کی پوجا نہ کریں، بلکہ ہر حال میں اللہ رب العزت کی فرمانبرداری کرنے والے بن جائیں۔، ہمارے مشائخ اس پر محنت کرواتے ہیں...... نفس کا مجاہدہ کرواتے ہیں...... ذکر کرواتے ہیں...... لا الہ الا اللہ پڑھنا سکھاتے ہیں۔ یہ کرو، وہ کرو۔ سارا مقصود کیا ہوتا ہے؟ کہ نفس کا زور ٹوٹے اور انسان نفس کی پوجا کے بجائے اللہ کا پجاری بن جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے مشائخ کی کل محنت انسان کو سچا موحد بنانے کی محنت ہے، اس کے اندر اخلاص پیدا کرنے کی محنت ہے۔

کلمہ طیبہ کے خصوصی معارف

اب کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے کچھ معارف سن لیجیے!

یہ کہنا تو آسان ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ''نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے'' مگر اس کی حقیقت کو سمجھنا اور اسے پانا بہت مشکل کام ہے۔

لَآ اِلٰهَ کو مقامِ نفی کہتے ہیں کہ ہر غیر کی نفی کر دینا۔ لَآ اِلٰهَ ''نہیں کوئی معبود''۔ اِلَّا اللّٰهُ یہ اثبات ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نفی میں کمال حاصل ہوا:

تو یہ کل چار الفاظ ہیں، مگر ان میں پہلے دو الفاظ کہ کسی کو معبود نہ ماننا، یہ بہت ہی مشکل کام ہے۔ ہر چیز کی نفی کر دینا اور اس میں اپنا نفس بھی شامل ہے، اس کی بھی نفی کریں۔ اس میں اگر کمال حاصل ہوا تو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو حاصل ہوا۔ اس کی دلیل قرآن عظیم الشان میں سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَ لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (النحل:۱۲۰)

''بے شک ابراہیم ایسے پیشوا تھے جنہوں نے ہر طرف سے یکسو ہو کر اللہ کی فرمانبرداری اختیار کر لی تھی اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (النحل: ۱۲۳)

''اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے''

دلوں کے بھید جاننے والے پروردگار جس کے بارے میں یہ خود فرما دیں ﴿وَ مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ﴾ اس سے بڑی سند کون سی ہو سکتی ہے؟ یہ مہر ہے ابراہیم علیہ السلام کے اس ایمان پر کہ واقعی ان کو مقامِ نفی میں کمال حاصل تھا، انہوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقامِ خلت:

اللہ تعالیٰ نے پھر ان کو اپنا خلیل بنایا۔ خلیل کہتے ہیں دوست کو۔ قرآن مجید میں اور احادیث میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ جو لوگ دنیا میں برے دوست بنا لیتے ہیں، قیامت کے دن پچھتائیں گے۔ فرمایا:

﴿یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا﴾ (الفرقان: ۲۷،۲۸)

”کاش میں نے پیغمبر کی ہمراہی اختیار کر لی ہوتی! ہائے میری بربادی! کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا!“

حدیث پاک میں بھی ہے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر میں نے دنیا میں کسی کو دوست بنانا ہوتا تو

((لَاتَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ)) (بخاری، حدیث: ۳۶۵۶)

”میں ابوبکر کو اپنا دوست بناتا۔“

یعنی میرا دوست فقط اللہ ہے۔

اور ایک حدیث پاک میں فرمایا:

((اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ))

”انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس دیکھو کہ کس کو دوست بنا

رہے ہو؟'' (مسند احمد، حدیث: ۸۴۱۷)

تو خلیل سے مراد دوست ہوتا ہے اور ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا۔

خلیل کی آزمائش:

اب یہ دو تعلق ہیں:

ایک ہے دوستی کا تعلق ہوتا ہے، اس کا انداز اور ہوتا ہے۔

ایک ہے محبت کا تعلق ہوتا ہے، اس کا انداز جدا ہوتا ہے۔

جو دوست ہوتا ہے اس کو انسان آزماتا ہے، یہ دوستی میں سچا ہے یا نہیں؟ دیکھتا ہے، جج منٹ کرتا ہے کہ یہ دوستی میں پکا ہے یا کچا؟ تو ابراہیم علیہ السلام کو دیکھو! اللہ تعالیٰ نے کیسے آزمایا؟ عجیب! سبحان اللہ!

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ﴾

''ابراہیم کو ان کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا''

﴿فَاَتَمَّهُنَّ﴾ (البقرۃ: ۱۲۴)

''وہ سینٹ پرسینٹ کامیاب ہو گئے۔''

تو آزمائش تو آئی، کیا آزمائش آئی؟ تمہارے گھر والے مشرک ہیں، بت فروش ہیں، گھر کو چھوڑ دو! چنانچہ چھوڑ دیا، کہہ دیا: ابو جان! میں گھر سے جا رہا ہوں۔ گھر چھوڑنا کوئی آسان ہوتا ہے؟

پھر آگے آیئے! قوم ساری کی ساری مشرک ہے۔ قوم کو بھی بتانا تھا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں۔ قوم نے کہا: آؤ چلتے ہیں، ایک فنکشن ہے۔ فرمایا: ﴿اِنِّیْ سَقِیْمٌ﴾ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ یہ تمہاری شرک والی باتیں

میرے دل کو بہت پریشان کرتی ہیں، میں نہیں جاؤں گا۔سب چلے گئے، پیچھے ان کے بت تھے۔

﴿ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ ﴾

''ایک بڑے کے بجائے سب کی ٹکڑے کر دیے۔''

بڑے کے کندھے پر کلہاڑا ڈال دیا۔قوم آگئی، انہوں نے جب بتوں کا یہ حال دیکھا تو کہنے لگے:

﴿فَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ ﴾

''اپنے معبودوں کی مدد کرو''

کیا عقل پر پٹی چڑھ جاتی ہے! کہ خود کہتے ہیں کہ اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ یہ تمہارے معبود کیسے ہوئے؟ کس کام کے معبود ہیں؟

تو کہنے لگے: یہ کس نے کیا ہوگا؟

﴿ سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴾

ایک نوجوان ابراہیم نام کا ہے، اس کے تذکرے سنے ہیں کہ ان کی مخالفت کرتا ہے۔(اس کو پکڑو)

ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ لیا گیا۔پوری قوم نے کہا:

﴿حَرِّقُوْهُ﴾

''اس کو آگ میں جلا دو۔''

جب انسان لاجواب ہو جاتا ہے تو پھر زبان سے کچھ کہہ تو سکتا نہیں، پھر ہاتھا پائی اور دھونس دھمکی سے کام لیتا ہے۔تو قوم نے کہا: جی! آگ میں جلاؤ۔لو جی! ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلانے کی تیاری شروع ہوئی، ایک ڈیٹ فکس

(تاریخ مقرر) ہوگئی۔اس زمانے کی عورتیں اپنی مرادیں بتوں سے مانگتی تھیں تو کہتی تھیں کہ میرا بیٹا ہوگا تو میں ابراہیم کی آگ میں اتنے من لکڑی ڈال کر آؤں گی، ایک لکڑیوں کا پہاڑ بن گیا۔

مقررہ دن آگ لگائی گئی، اتنی آگ تھی کہ کوئی قریب نہیں جا سکتا تھا۔تو کہا گیا کہ جھولا بناتے ہیں، اور ابراہیم علیہ السلام کو جھولے میں بٹھا کر دور سے آگ میں پھینک دیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام آگ کو آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں۔جھولے میں بٹھا دیا گیا۔ دیکھو! دوست کی خاطر قربانی بھی تو دینی پڑتی ہے۔ پہلے بھی تو قربانی دے کر آئے تھے۔

......گھر چھوڑا تھا۔

......پھر بیوی کو ایک جگہ چھوڑا۔

......پھر بیوی اور بچے کو حرم شریف میں آکر اکیلا چھوڑا۔

......پھر بچے کی قربانی مانگی، اس کو قربان کرو۔

کتنی قربانیاں مانگیں؟ اور ایک وقت آیا کہ فرمایا: اچھا! اپنے آپ کو بھی میرے نام پر قربان کرو۔اس کے لیے بھی تیار ہو گئے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام جھولے سے پھینکے گئے، اور آگ کی طرف جب جا رہے تھے تو جبرائیل علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے پوچھا: اے اللہ! آپ نے میری ڈیوٹی لگائی ہوئی ہے کہ میں آپ کے انبیاء کی مدد کروں تو اگر اجازت ہو تو میں ابراہیم کی مدد کروں؟ فرمایا: جاؤ! دیکھو کیا کہتے ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام آئے، ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا:

اَلَكَ حَاجَةٌ

What can I do for you.

میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟

تو اس وقت ابراہیم علیہ السلام نے مقام نفی میں کمال کا ثبوت پیش کر دیا۔ کہ عالمِ ناسوت کے سب اسباب کو تو منع کر ہی چکے تھے، اب عالم ملکوت کا سبب سامنے تھا۔ مقرب فرشتہ آیا کہ میں مدد کر سکتا ہوں؟ فرمایا کہ کیا اللہ جانتے ہیں کہ میں اس حال میں ہوں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! اللہ جانتے ہیں۔

فرمایا:

حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ عِلْمُہٗ بِحَالِیْ (البحر المدید: ۵۳۲/۴ سورۃ الانبیاء)

''کہ یہ جو اللہ کو میرے حال کا پتا ہے کہ میں آگ میں گر رہا ہوں، اس علم نے مجھے تجھ سے سوال کرنے سے منع کر دیا ہے۔''

جب معبود جانتا ہے کہ میں اس حال میں ہوں تو میں تم سے کیا مدد مانگوں؟

جے سوہنا میرے دکھ وچ راضی
تے میں سکھ نوں چلھے ڈاہواں

''اگر میرا محبوب! میرے دکھ پر راضی ہے تو میں سارے سکھوں کو آگ میں ڈال دوں۔''

سبحان اللہ!

ابراہیم علیہ السلام نے کمال کر دیا، منع فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی پیار سے فرمایا:

﴿وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی﴾ (النجم: ۳۷)

''میرا ابراہیم بڑا وفادار نکلا۔''

سبحان اللہ! کیا عظمت ہے! کیا ایمان ہے! کہ مالک الملک کہے: ﴿وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی﴾ تو یہ ہے خلیل کا معاملہ۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقامِ محبوبیت:

اور نبی علیہ السلام کا معاملہ، حبیب کا معاملہ ہے۔ دوست میں اور محبوب میں فرق ہوتا ہے۔ دوست سے لینے کی انتہا کر دی جاتی ہے، آزمائش کی انتہا کر دی جاتی ہے اور محبوب کو دینے کی انتہا کر دی جاتی ہے۔ تو دیکھیے! اللہ تعالیٰ نے محبوب کو کیا دیا؟ فرمایا:

﴿وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾

''اے محبوب! تجھے اتنا دوں گا تو بس بس کرے گا۔''

فَتَرْضٰى کا مفہوم ہے کہ تو بس بس کرے گا، اتنا دوں گا۔

ادھر دینے کی انتہا اور ادھر لینے کی انتہا۔ چنانچہ خلیل اور حبیب، ان کے درمیان ذرا حساب دیکھ لیجیے کہ اللہ رب العزت نے خلیل کو انسانوں کا امام بنایا، فرمایا:

﴿اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ (البقرۃ:۱۲۴)

خلیل انسانوں کے امام بنے۔

اور جو حبیب تھے ان کو انبیاء کا امام بنایا۔ وہ چونکہ محبوب تھے، ادھر معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ اللہ اکبر کبیرا! اپنے خلیل کے لیے فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

(الانعام:۷۵)

''اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا نظارہ کراتے تھے''

تو ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی آیات دکھائیں۔

اور جب اپنے حبیب کا نام آیا تو فرمایا:

﴿لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی﴾ (النجم:۱۸)

''سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بہت کچھ دیکھا''

کہاں زمین و آسمان کی نشانیاں دکھائیں اور کہاں رب اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔ سبحان اللہ! اللہ! تیری شان بڑی ہے۔

پھر دیکھیے! ابراہیم علیہ السلام کو دعا مانگنی پڑی:

﴿لَا تُخْزِنِیْ﴾ (الشعراء:۸۷)

''اے اللہ! مجھے آپ رسوا نہ فرمانا۔''

اور جب محبوب کا تعلق آیا تو اللہ فرماتے ہیں:

﴿یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ (التحریم:۸)

''اس دن جب اللہ نبی کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو رسوانہیں کرے گا''

خود بتا دیا کہ محبوب! آپ ہم کو رسوانہیں کریں گے۔

تو خلیل اور محبوب کے درمیان یہ عجیب تعلق ہے۔ اس لیے نبی علیہ السلام جب معراج پر تشریف لے گئے حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے فرمایا:

سَلْ

''اے محبوب! آپ مانگیے''

نبی علیہ السلام نے جواب دیا:

﴿إِنَّكَ اتَّخَذْتَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾

''اے اللہ! آپ نے تو ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنالیا۔''

فَقَالَ لَهُ رَبُّهُ:

''انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''

﴿قَدِ اتَّخَذْتُكَ حَبِيبًا﴾

''اے محبوب! میں نے آپ کو اپنا حبیب بنالیا۔''

(سبل الہدیٰ والرشاد: ۹۱/۳، الاسراء والمعراج للسیوطی: ص ۲۷)

اس لیے حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((أَلَا وَ أَنَا حَبِيبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ)) (ترمذی، حدیث: ۳۶۱۶)

''میں اللہ کا حبیب ہوں اور مجھے اس بات پر کوئی فخر نہیں ہے۔''

تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے حبیب اور ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نفی و اثبات دونوں میں کمال حاصل ہوا:

اب ذرا نکتہ سمجھیے! کہ ابراہیم خلیل اللہ کو مقامِ نفی میں کمال حاصل ہوا، لَآ اِلٰہَ میں کمال حاصل ہوا۔ انہوں نے کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ اللہ نے فرمادیا: وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ تو مقامِ نفی میں اس دنیا میں اگر کسی کو کمال حاصل ہوا تو ابراہیم علیہ السلام کو ہوا۔ باقی سب کا ایمان مضبوط ہوگا، مگر جس کی تصدیق رب کر دے کہ یہ مشرک نہیں تو درجہ تو اس کا بڑھ گیا۔ تو یہ خلیل کا رتبہ تھا۔

اب ذرا حبیب کا رتبہ دیکھیے! کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقامِ نفی میں بھی کمال عطا فرمایا اور مقامِ اثبات میں بھی کمال عطا فرمایا۔ یہ

عجیب نکتہ ہے۔اس لیے کہ پہلے انبیاء کا جتنا بھی ایمان تھا وہ سب غائب کا ایمان تھا۔ غائب کا ایمان جتنا بھی ہو جائے، وہ مشاہدے کے برابر تو نہیں ہو سکتا۔خود نبی علیہ السلام نے ایک حدیث پاک میں فرمایا:

((اَلشَّاهِدُ يَرَى مَالَمْ يَرَى الْغَائِبُ)) (جامع الاحادیث للسیوطی، : ۱۳۴۶۰)

''غائب وہ نہیں دیکھ سکتا جو حاضر دیکھ سکتا ہے''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ارشاد فرمایا:

((لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ)) (مسند البزار، حدیث: ۵۰۶۲)

''دیکھنا اور چیز ہوتی ہے، سننا اور چیز ہوتی ہے۔''

تو باقی سارے انبیاء کا ایمان سن کر ایمان تھا کہ اللہ نے فرمایا ہے، اس لیے ہم تصدیق کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ سارے انبیاء میں ایک نبی کو اللہ نے یہ درجہ دیا کہ اس کی زندگی میں معراج پر بلا کر اپنا دیدار کروایا۔اب یہ دیدار کا جو کمال ہے، یہ اثبات کا کمال ہے۔اس میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتیاز ہے، اس میں کوئی اور نبی شریک نہیں ہے۔ یہ مقام اثبات مومن کو جنت میں حاصل ہوگا۔جب ایمان والے جنت میں جائیں گے اور اللہ کا دیدار کریں گے، مومن کو یہ مقامِ اثبات وہاں نصیب ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ نعمت جو مومنوں یا دوسرے انبیاء کو جنت میں ملنی تھی اسی دنیا میں عطا فرمادی۔تو گویا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے مقام نفی میں دنیا میں بھی کمال عطا فرمایا اور مقام اثبات میں معراج کے ذریعے ایسا کمال عطا فرمایا جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا۔تو اب ذرا فرق دیکھیے کہ خلیل علیہ السلام کو کمال حاصل ہوا مقام نفی میں اور حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقام حاصل ہوا مقام نفی میں بھی اور مقام اثبات میں

بھی۔تو درجہ اوپر چلا گیا۔

علمی نکتہ:

اب ایک اور علمی نکتہ سنیے! کہ اللہ رب العزت نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم فرمایا:

﴿اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾ (النحل:۱۲۳)

''آپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کیجیے۔''

ایک جگہ پر اللہ رب العزت نے یہ بھی فرمایا کہ ابراہیم کی پیروی کیجیے۔اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز میں جو درود شریف سکھایا اس درود شریف میں کس پیغمبر علیہ السلام کا تذکرہ ہے؟

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی چیز ایسی تھی جو ابراہیم علیہ السلام کی تھی ،جس کو محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی چاہتے تھے۔وہ کیا چیز ہے؟ اس میں ایک علمی نکتہ ہے جو آج آپ کو بتاتے ہیں۔ساری عمر تو ہم نماز میں یہ پڑھتے رہے،نکتہ آج سمجھ میں آئے گا۔

محبیت اور محبوبیت:

اس کو امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں کھولا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ دیکھو! ایک ہوتی ہے ''محبیت'' محب ہونا، کسی کا عاشق ہونا۔اس عشق میں کمال تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا۔انبیاء میں سے ان کو یہ اعزاز ملا،محبت میں وہ آگے نکل گئے۔محب ہی ہے نا جو کہہ دیتا ہے:

﴿رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ﴾ (الاعراف:۱۴۳)

اللہ! میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

مجھ سے رہا نہیں جا رہا۔ یہ کوئی چھوٹا سا کلام تو نہیں ہے۔ اور یہ ایک نبی علیہ السلام کی زبان سے نکل رہا ہے، ایسی بزرگ شخصیت کی زبان سے۔ اس کا مطلب ہے کہ محبت کا جوش ایسا تھا۔ تو محبیت میں کمال کس کو حاصل ہوا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو۔

اور ایک ہے محبوبیت۔ کسی کا محبوب ہونا، تو اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام آتا ہے کہ ان انبیاء علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ کو خاص محبت تھی۔

محبوبیت ذاتی اور محبوبیت صفاتی:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبوبیت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک محبوبیت ذاتی ہوتی ہے، کسی سے ذاتی محبت ہونا۔ اس کی جھلک ماں کی محبت میں ملتی ہے۔ ماں کو بیٹے سے ذاتی محبت ہوتی ہے، بیٹا کالا ہو، بیٹا کمزور ہو، بیٹا جیسا بھی ہو، ماں کو محبت ہوتی ہے۔ دنیا کا حسین ترین بچہ سامنے کر دو، ماں آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھے گی، فقط اپنے بیٹے کو دیکھے گی۔ یہ محبت ذاتیہ ہے۔ ایک ہوتی ہے ذاتی محبت اور ایک ہوتی ہے صفاتی محبت۔ صفاتی محبت کسے کہتے ہیں؟ صفاتی محبت کہتے ہیں کہ کسی کی عادتوں کی وجہ سے اس کو پسند کرے۔ ایک بچہ ہے، خوب صورت بھی ہے، وہ بڑی پیاری باتیں بھی کرتا ہے، اب اس میں محبوبیتِ صفاتی آ گئی۔ ویسے تو تعلق نہیں تھا، مگر اس کی باتوں نے اس کو محبوب بنا دیا۔ تو محبوبیت کے دو پہلو ہیں:

ایک ہوتی ہے محبوبیت ذاتی

اور ایک ہوتی ہے محبوبیت صفاتی۔

تو امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے محبوبیت ذاتی کا درجہ عطا فرمایا تھا۔

ابراہیم علیہ السلام کو محبوبیت صفاتی کا درجہ عطا فرمایا تھا۔

یہ صفات کی وجہ سے محبوب تھے، وہ ذات کی وجہ سے محبوب تھے۔ اب صفات والے محبوب کو پھر صفات تو پیش کرنی پڑتی ہیں، اسی لیے ان سے امتحان لیے گئے۔

دائرہ اور مرکز کی مثال:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بات اور فرماتے ہیں کہ اس کی اگر مثال سمجھنی ہو تو ایک دائرے اور مرکز کی مثال سمجھیں۔ ایک مرکز ہوتا ہے اور مرکز کی وجہ سے دائرہ ہوتا ہے، مگر مرکز اور دائرہ دونوں ایک چیز ہوتے ہیں۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ جو دائرہ ہے اس کا نام خلت ہے، جو مرکز ہے اس کا نام محبوبیت ہے۔ اور اللہ رب العزت نے کائنات کو کس لیے پیدا فرمایا؟ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بنایا۔ فرمایا: اے محبوب! آپ نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا۔ اس کا مطلب ہے ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تو ایک محیط کے مانند ہیں، مگر مرکز کی وجہ سے ہی محیط ہوتا ہے۔

علمی نکتہ:

اب اس میں ایک اور نکتہ ہے کہ جو محبوب ذاتی ہوتا ہے، اس کو ایک درجہ تو حاصل ہے کہ ذات کی وجہ سے محبت ہے، مگر اس کے دل کے اندر طمع تو ہوتی ہے کہ میرے دل میں صفات بھی وہ آجائیں کہ جس سے میرے اندر اور کمال آ

جائے۔اس محبوبیت ذاتی کی وجہ سے نبی علیہ السلام نے دعا منگوائی:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ

اللہ! ان سے جو محبوبیت تھی صفات کی وجہ سے، آپ ذات کی وجہ سے تو محبت کرتے ہیں، مجھے وہ صفات بھی عطا فرما۔

مقامِ احمدیت:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مبارکہ کے دو پہلو ہیں۔ یہ بھی ایک نکتے کی بات ہے۔ نبی علیہ السلام کے دو نام ہیں: آپ کا ایک نام احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایک نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ احمد کا جو نام ہے، وہ آسمانوں میں ہے۔محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے جو آپ کا نام تھا وہ احمد تھا۔اسی لیے آدم علیہ السلام نے بھی اللہ رب العزت سے جو دعا مانگی تھی تو احمد کا نام استعمال کیا تھا۔عیسیٰ علیہ السلام نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کی خوشخبری دی تھی تو فرمایا تھا:

﴿یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ﴾ (الصّف:٦)

تو محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لانے سے پہلے احمد کے نام سے پکارے گئے۔ احمد کے اندر خالصتاً محبوبیت ہے۔اسے محبوبیتِ صرف کہتے ہیں۔اس میں سو فیصد محبوبیت ہی ہے اور کسی چیز کا اس میں عنصر نہیں ہے۔تو یہ نام احمد تھا، لیکن پھر کیا ہوا کہ حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے۔اب دنیا میں محبوبیت تو تھی ہی، مگر انہوں نے اللہ کا دین پہنچایا، اللہ کی عبادت کی، تو محبوب کو بھی تو پھر محبت ہو جاتی ہے، چنانچہ ان میں محبیت کی بھی ایک جھلک آ گئی۔ اللہ کے بندے بھی تو تھے۔تو احمد میں صرف محبوبیت تھی، جب اس دنیا میں آئے تو اس محبوبیت میں محبیت کی بھی تھوڑی سی جھلک آ گئی، اس لیے اللہ نے ان کا نام محمد

فرما دیا۔ اے میرے محبوب! آپ کا نام محمد ہے۔ اور پھر اس دنیا سے وفات پائی تو وہ جو محبیت والی چیز تھی، وہ تو دنیا تک رہ گئی کہ عبادت ختم ہو گئی، اب قیامت کے دن پھر ان کو محبوبیت کے نام سے پکارا جائے گا۔ اس لیے ان کو مقامِ محمود عطا ہوگا۔

حدیث پاک میں ہے اس امت کے ایک بندے کو فرشتے جہنم کی طرف لے جا رہے ہوں گے، تو وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکارے گا: یا احمد! یا احمد! (روح المعانی: ۸ / ۸۳) تو قیامت کے میدان اس نام سے پکارا جائے گا۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ محبوبیت ذاتی کا مقام ہوگا۔ وہ مقام بلند ہے اس سے۔

تو یوں سمجھیے کہ ایک خلت کا مقام ہے۔

اس کے اوپر محمدیت والا مقام ہے۔

اس سے اوپر احمدیت والا مقام ہے۔

اور اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دونوں مقام عطا فرمائے۔ اس وجہ سے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوبیت ذاتی کے حامل ہیں۔ محبوب ہیں اللہ رب العزت کے۔

طریقت، حقیقت اور شریعت:

اب ذرا غور کریں! پھر واپس آتے ہیں، کلمہ طیبہ ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

تو لَآ اِلٰهَ میں کمال ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہوا، یہ مقام نفی کا کمال ہے۔

لَآ اِلٰهَ اور اِلَّا اللّٰهُ دونوں میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کمال حاصل ہوا۔

اب اگلی بات سنیے! کہ یہ جو کلمہ ہے نا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اس میں ساری معرفتیں موجود ہیں۔ وہ کیسے؟ کہ

لَآ اِلٰہَ یہ طریقت ہے۔

یعنی شرک سے بچنا...... اپنے نفس کو توڑنا...... اس کو نفس مطمئنہ بنانا......

اللہ کے سامنے جھکانا...... یہ طریقت ہے۔

اِلَّا اللّٰہُ یہ حقیقت ہے۔

اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یہ شریعت ہے۔

ایک کلمے کے اندر تینوں معرفتیں اللہ نے عطا فرمائیں۔ آپ سوچیے کہ یہ کیا کلمہ ہے کہ جس کو اللہ نے ہمیں پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی!! اللہ اکبر کبیرا!

اسی لیے کہنے والے نے عجیب بات کہی:

خودی کا سرِ نہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
خودی ہے تیغِ فساں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

تیغ کہتے ہیں تلوار کو اور فساں کہتے ہیں اس گرائنڈر (تیز کرنے والی وٹی) کو جس سے تلوار کو تیز کرتے ہیں۔

خودی کا سرِ نہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
خودی ہے تیغِ فساں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کے خزاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
یہ قوم اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

اللہ اکبر! کیا کلمہ ہے! کیا اس کی برکتیں ہیں! دعا مانگتے ہیں کہ اللہ رب العزت ہمیں اس کلمے کی حقیقت عطا فرما دے، تاکہ ہمارا مطلوبِ حقیقی، محبوب حقیقی، معبودِ حقیقی، صرف اللہ رب العزت کی ذات ہو جائے۔ اسی لیے تو حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

تیرے سوا معبود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا مقصود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا موجود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا مشہود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں

اب تو رہے بس تا دم آخر وردِ زبان اے میرے الٰہ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہا
تجھ پر سب گھر بار لٹا دوں خانہ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگا دوں غم سے ترے دلشاد رہے
سب کو نظر سے اپنی گرا دوں تجھ سے فقط فریاد رہے

اب تو رہے بس تا دم آخر وردِ زبان اے میرے الٰہ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

﴿إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (البقرۃ: ۱۴۳)

میرے بندے!
تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: یکم ستمبر 2012ء بروز ہفتہ، ۱۳ شوال ۱۴۳۳ھ

بمقام: جدہ (سعودی عرب) موقع: آن لائن بیان

میرے بندے! تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (البقرۃ:۱۴۳)
﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ (الاحزاب:۴۳)
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

مخلوق کی محبت......اللہ کی رحمت کا سوواں حصہ:

ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنی رحمت کے سو حصے فرمائے، ان میں سے ایک حصہ مخلوق میں تقسیم کیا۔ چنانچہ مخلوق میں جتنی محبتیں نظر آتی ہیں: والدین اور اولاد کی محبت...... میاں بیوی کی محبت...... بہن بھائی کی محبت...... بھائی بھائی کی محبت...... دو دوستوں کی محبت۔ یہ تمام محبتیں اس سوویں حصے کا آگے چھوٹا چھوٹا حصہ ہیں۔

سوویں حصہ کا ایک ذرہ...... ماں کی محبت:

اب آپ غور کیجیے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک اربوں کھربوں

مائیں آئیں اور ہر ماں کو وہ چھوٹا سا حصہ ملا ہوتا ہے۔ پھر انسانوں میں بھی ماں ہے تو حیوانوں میں بھی ہے، درندوں میں بھی اور چرندوں میں بھی۔ ماں کی محبت تو سب میں ہوتی ہے۔ اگر آپ نے کبھی جنگل کی سیر کی ہو تو آپ دیکھیں کہ جس ہتھنی کے ساتھ اس کا بے بی ہو تو ماں اس کے بارے میں کتنی Protective ہوتی ہے۔ تو سوچیے کہ اس ایک رحمت کے آگے کتنے چھوٹے چھوٹے ذرے ہوئے ہوں گے اور ان میں سے ایک ذرہ ایک ماں کو ملا۔

ماں کو اولاد سے کتنی محبت ہوتی ہے، اس کی مثالیں آپ نے سنی ہوں گی کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں کی زندگی بدل جاتی ہے۔ پہلے خاوند کے ساتھ جاتی تھی، اپنی چیزیں خریدتی تھی، اب خاوند کے ساتھ جاتی ہے تو بچے کی چھوٹی چھوٹی چیزیں دیکھتی پھر رہی ہوتی ہے۔ میرے بچے کا فیڈر ایسا ہو، جوتے ایسے ہوں، کپڑے ایسے ہوں، اپنا آپ تو بھول ہی جاتی ہے، اپنی کوئی چیز خریدنی یاد ہی نہیں رہتی۔ بچے کی پیدائش کے بعد اب زندگی کا یہ حال کہ

پہلے بچے کو کھلاتی ہے، بعد میں خود کھاتی ہے۔
پہلے بچے کو پلاتی ہے، بعد میں خود پیتی ہے۔
پہلے بچے کو سلاتی ہے، بعد میں خود سوتی ہے۔

اپنا دھیان ہی نہیں ہوتا، اپنا کھانا یاد ہی نہیں ہوتا، اور بچے کی چوبیس گھنٹے کی ملازمہ ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ آٹھ گھنٹے کے بعد ڈیوٹی ختم۔ جتنی تھکی ہو، بیمار ہو، ذرا بچے کی آواز سنے گی، فوراً بچے کو Attend (توجہ) کرے گی۔ بچے کی تکلیف ماں کو گوارا نہیں ہوتی۔ بچے کی اس محبت کی وجہ سے جو اللہ نے ماں کے دل میں ڈال دی ہے، تڑپتی ہے۔

چنانچہ اگر کوئی بچہ بگڑ جائے تو بعض دفعہ باپ اس سے ناراضگی کا اظہار کر دیتا ہے، ماں پھر بھی اس سے پیار کرتی ہے۔ کہتی ہے: نصیب اس کے یہ ٹھیک نہ بن سکا، میں تو ماں ہوں میرا تو دل تڑپتا ہے۔ اور وہ بچہ اگر کسی وقت گھر چھوڑ کر چلا جائے تو روتی ہے، اس کا چین سکون لٹ جاتا ہے۔ نہ کھاتی ہے، نہ پیتی ہے، نہ سوتی ہے۔ باقی گھر والے کھا پی رہے ہوتے ہیں، سو بھی رہے ہوتے ہیں۔ یہ اس لیے نہیں کھاتی کہ پتہ نہیں میرے بچے کو کھانا ملا یا نہیں ملا۔ یہ اس لیے نہیں سوتی کہ ہو سکتا ہے میرا بچہ دروازے پر رات کو آئے اور دروازہ کھٹکھٹائے تو دروازہ کھولنے میں دیر نہ لگے۔ کتنا انتظار ہوتا ہے کہ اگر ہوا سے بھی دروازہ ہلنے کی آواز آئے تو یہ اٹھ کر بیٹھ جاتی ہے کہ شاید میرا بیٹا آ گیا ہو۔ یہ ماں کی محبت بھی عجیب چیز ہے! اب سوچیے کہ جب ایک ماں کی محبت اتنی ہے تو دنیا کے سارے انسانوں کی ماؤں کی محبت کو جمع کریں، پھر آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے انسانوں کی ماؤں کی محبت کو جمع کریں۔ پھر میاں بیوی کی محبت ایک الگ چیز ہے۔ سبحان اللہ! لگتا ہے کہ اس رحمت کے ایک حصے کے آگے کھرب ہا کھرب حصے ہوئے اور چھوٹا سا حصہ ماں کو ملا اور وہ محبت بھی ماں کو تڑپا دیتی ہے۔

بیٹے کے معاملے میں ماں بہت حساس ہوتی ہے۔ کوئی دوسرا ڈانٹے تو اسے برداشت نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اس کی محبت کے پیمانے بدل جاتے ہیں۔ جو اس کے بچے کو پیار کرے وہ اس کو اپنا سمجھتی ہے۔ سگی بہن بھی اس کے بچے کو پیار نہ کرے تو اس کو غیر سمجھتی ہے کہ وہ تو میرے بچے کو پیار ہی نہیں کرتی۔ محبتوں کے پیمانے بدل گئے۔ تو یہ مخلوق کی محبت ہے جو اللہ کی محبت کا ایک چھوٹا سا ذرہ ہے۔

اللہ نے ہمیں انسان بنایا:

اللہ رب العزت کو اپنے بندوں سے کتنی محبت ہوتی ہے، اس کا اندازہ لگانا چاہیے۔ چنانچہ پروردگارِ عالم نے ہمیں انسان بنایا، یہ اس کا ہم پر بہت فضل و کرم ہے۔ آپ اس بات پر غور کریں کہ جس وقت ہم دنیا میں پیدا ہوئے، عین اسی لمحے اسی منٹ اور سیکنڈ میں جانوروں کے ہاں بھی بچے پیدا ہوئے ہوں گے۔ کہیں گدھی کے ہاں بچہ پیدا ہوا، کہیں سور کے ہاں بچہ پیدا ہوا، کہیں کتے کے ہاں ہوا تو وہ بھی تو بچے ہی تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ہمیں بھی جانور کا بچہ بنا دیتے، مگر اللہ رب العزت نے اپنے فضل سے بن مانگے ہمیں انسان بنا دیا۔

اللہ نے ہمیں مسلمان بنایا:

پھر دوسرے نکتے پر غور کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسان بنایا تو ایک لمحے میں پوری دنیا میں کتنے بچے پیدا ہوئے ہوں گے؟ کتنے بچے کافرہ ماں کی گود میں پیدا ہوتے ہیں؟ ہمیں اللہ نے کلمہ پڑھنے والی ماں کی گود میں پیدا فرمایا، یہ اللہ کا ہم پر کتنا بڑا اکرم ہے! اور یہ وہ نعمت ہے جس کا ہم نے سوال بھی نہیں کیا تھا، بن مانگے مل گئی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتے۔

اللہ نے ہمیں بہترین صورت پر پیدا کیا:

اللہ رب العزت نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ انسان خود بخود پیدا ہوا، بھئی! خود بخود کا تو قانون ایک ہی ہوتا

ہے۔ سارے جسم میں بال ایک ہی جیسے بڑھنے چاہییں تھے۔ خود بخود جو پیدا ہو رہے ہیں تو جس طرح سر کے بال بڑے ہوتے ہیں، اسی رفتار سے پلکیں بڑھتیں، اس رفتار سے بھنویں بڑھتیں، اسی رفتار سے بازو کے بال بڑھتے تو کیا ہوتا؟ انسان تو پھر انسان نہیں، بھوت نظر آتا۔ انسان کی ہڈی جس اعتبار سے ٹانگوں میں بڑھتی ہے، اگر اسی طرح ناک کی بھی بڑھتی تو کیا شکل ہوتی؟ اسی حساب سے کان بھی بڑھتے تو ہاتھی کے کان نظر آرہے ہوتے۔ اسی حساب سے پھر دانت بھی بڑھتے، پھر کیا ہوتا؟ جس انداز سے انسان کا قد بڑھتا ہے کہ شروع میں ایک فٹ ہوتا ہے اور بعد میں پھر چھ فٹ بن جاتا ہے، اسی طرح اگر اس کی آنکھ بھی چھ گنا ہو جاتی تو ماشاء اللہ بھینس کی آنکھ بنی ہوتی۔ اب اللہ رب العزت نے انسان کے ہر ہر عضو کا ایک تناسب پیدا کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا کوئی بنانے والا، کوئی پیدا کرنے والا پروردگار ہے۔ اور اس نے بہترین صورت میں پیدا کیا۔

﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ (المومنون: ۱۴)

''برکت والا ہے وہ اللہ، جس نے انسان کو بہترین صورت بنایا''

سبحان اللہ! ایک بادشاہِ وقت اپنی بیوی کے ساتھ ذرا اچھے موڈ میں تھا، تعریف کر رہا تھا۔ تعریف کرتے کرتے اس نے قسم اٹھا کر کہہ دیا کہ تو چاند سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اس زمانے میں علم کی قدردانی تھی، بیوی نے کہا کہ بھئی! آپ نے تو قسم ٹھیک نہیں اٹھائی، کیوں ایسی قسم اٹھائی؟ اس کو بھی پھر احساس ہوا کہ یہ تو غلطی ہو گئی، قسم اٹھا کر تو یوں نہیں کہنا چاہیے تھا کہ تو چاند سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ چلو جی اب فیصلہ کراؤ! علماء سے رجوع کیا۔ علما نے کہا کہ بھئی

!ہم تو فیصلہ نہیں کر سکتے کہ انسان زیادہ خوبصورت ہے یا چاند زیادہ خوبصورت ہے؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو پتہ چلا تو انہوں نے کہا کہ میں بتا سکتا ہوں کہ کون زیادہ خوبصورت ہے؟ پوچھا گیا کہ جی بتائیں۔ انہوں نے کہا: اس شخص نے صحیح بات کہی کہ انسان چاند سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ پوچھا گیا کہ آپ یہ کیسے فتویٰ دے رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں فتویٰ نہیں دے رہا، یہ فتویٰ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود دیا ہے۔ پوچھا کہ دلیل کیا ہے؟ تو فرمایا کہ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ (التین: ۴)

''یقیناً ہم نے تمہیں بہترین صورت میں پیدا کیا''

تو انسان کی جو ہیئت (ہیئت) ہے وہ کائنات میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ لہٰذا کہہ سکتے ہیں کہ انسان چاند سے زیادہ خوب صورت ہے۔ ویسے بھی کسی نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ایک شعر کہا:

چاند سے تشبیہ دینا یہ بھی کوئی انصاف ہے
اس کے منہ پہ چھائیاں مدنی کا چہرہ صاف ہے

تو انسان کو اللہ رب العزت نے چاند سے زیادہ خوبصورت بنایا۔

اللہ کی طرف سے انسان کا اکرام:

اور پھر فرمایا:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ﴾ (الاسراء: ۷۰)

''اے بنی آدم! ہم نے تمہیں بہت احترام بخشا''

احترام بخشا کا کیا مطلب؟ آپ غور کریں کہ جتنے جانور اور پرندے ہیں، سب کھانے کے لیے سر جھکاتے ہیں۔ گائے، بھینس، گدھا، شیر، چیتا، سب کھانے کے لیے سر جھکاتے ہیں۔ ایک انسان ہی تو ہے کہ اسے اپنا سر کھانے کے پاس لے جانے کی ضرورت نہیں، کھانا اس کے منہ کے پاس آتا ہے۔ اللہ نے اس کو ہاتھ دیے ہیں، یہ نعمت باقیوں کے پاس نہیں ہے۔ سبحان اللہ! اللہ نے انسان کو یہ عزت دی ہے۔ میرے بندے! تو نے میرے در پر جھکنا ہے نا! میں تجھے روٹی کی خاطر کسی کے در پر جھکنے نہیں دوں گا، تیرے سر کو بس میں نے اپنے لیے ہی خاص کر لیا۔ اللہ نے یہ اس کا اکرام فرمایا، کیونکہ اللہ نے اسے دنیا میں اپنا نائب اور اپنا خلیفہ بنایا۔

احترامِ انسانیت کی تعلیم:

اللہ تعالیٰ نے بندے کو احترامِ انسانیت کی تعلیم دی۔

حدیث پاک میں ہے:

((اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ))

(شعب الایمان: ۶/ ۴۳)

''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کو وہ بندہ بڑا اچھا لگتا ہے جو اللہ کی مخلوق سے محبت کرے۔''

یعنی انسان سے محبت کرے انسان ہونے کے ناطے۔ باقی محبتیں تو ہوتی ہیں، جیسے رشتہ داری کی محبتیں، دین کی وجہ سے آپس میں محبتیں، لیکن ان کے علاوہ بھی محبت ہے جس کو کہتے ہیں ''احترامِ انسانیت'' (Respect of

(humanity)۔ دین نے وہ محبتیں بھی سکھائیں کہ آخر کوئی کافر ہی سہی لیکن انسان تو ہے۔ انسان ہونے کے ناطے تو تم ایک دوسرے کا خیال کرو۔ تو فرمایا کہ مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، یہ بہت بڑی بات کردی گئی، اتنا خوبصورت (Concept) کسی نے نہیں دیا۔ اللہ نے یہ خوبصورتی دین اسلام ہی کو عطا فرمائی۔ فرمایا کہ تم میں سے اللہ کو سب زیادہ پیارا وہ ہے جو اللہ کے کنبے سے محبت کرتا ہے، اللہ کے بندوں سے جس کو پیار ہوتا ہے۔

دنیا کی محبتیں، سب غرض کی محبتیں:

مگر ایک بات غور طلب ہے کہ دنیا میں جتنی محبتیں ہیں، وہ سب غرض کی محبتیں ہوتی ہیں۔ ان کے پیچھے کوئی نہ کوئی غرض اور مقصد ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر:

اولاد اور ماں باپ کے درمیان محبت ہوتی ہے۔ ماں باپ کے دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ بچے سنور جائیں گے، ان کا کیریئر اچھا بن جائے گا تو یہ ہمارے بڑھاپے کا سہارا بنیں گے اور عزتوں کا سبب بنیں گے۔ اور بچوں کے دل میں ہوتا ہے کہ ماں باپ کی کفالت سے ہم اچھی تعلیم پا جائیں گے، تو دونوں طرف غرض موجود ہے۔

میاں بیوی سے تعلق میں بھی غرض ہوتی ہے۔ میاں کو بیوی کی ضرورت ہوتی ہے، بیوی کو خاوند کی ضرورت ہوتی ہے۔

استاد اور شاگرد کے تعلق میں بھی غرض ہے۔ استاد پڑھاتا ہے کہ مجھے سیلری ملے گی اور شاگرد اس لیے پڑھتا ہے کہ مجھے استاد سے علم ملے گا۔ تو غرض دونوں طرف ہے۔

حتیٰ کہ پیر اور مرید کی محبت میں بھی غرض ہے۔ مرید کے دل میں ہوتا ہے کہ مجھے تربیت ملے گی، مجھے باطنی بیماریوں کی اصلاح کے لیے رہبری ملے گی تو میں اچھا انسان بن جاؤں گا۔ اور پیر کے دل میں غرض ہوتی ہے کہ یہ اچھا انسان بنے گا تو اس کے بدلے اللہ مجھ سے راضی ہو جائیں گے۔ تو غرض چاہے دنیا والی ہو چاہے آخرت والی ہو، غرض تو ہے۔

پتہ یہ چلا کہ دنیا کی ہر محبت کے پیچھے غرض ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت...... بے غرض محبت:

ایک محبت ایسی ہے جو بلا غرض ہے، وہ ہے اللہ رب العزت کی محبت۔ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت۔ اللہ تعالیٰ کو بندوں سے کیا غرض ہے؟ ساری دنیا فرعون کی طرح پتھر دل بن جائے، اللہ تعالیٰ کی شان میں کوئی کمی نہیں آتی۔ ساری دنیا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح تقویٰ والی بن جائے، اللہ کی شان میں اضافہ نہیں ہوتا۔ تو جب مخلوق کی عبادت سے اللہ کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا، نافرمانی سے کمی نہیں ہوتی تو پھر اللہ کو ہماری کیا پرواہ ہے؟ اس کے باوجود اگر اللہ تعالیٰ بندے سے محبت فرماتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بے غرض محبت ہے۔ اس لیے حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے بندے!

((كُلٌّ يُرِيْدُكَ لِنَفْسِهٖ وَاَنَا اُرِيْدُكَ لَكَ)) (الجواب الکافی: ص ۱۶۵)

''تجھ سے ہر کوئی اپنی غرض کے لیے محبت رکھتا ہے، اے میرے بندے! میں تجھ سے تیرے لیے محبت کرتا ہوں۔''

اللہ اکبر کبیرا! یہ اللہ رب العزت کی محبت کیسی عجیب محبت ہے!

بخشش کے بہانے:

چنانچہ اللہ رب العزت نہیں چاہتے کہ میرے بندے عذاب کے اہل ہوں، میرے بندے جہنم میں جائیں، اللہ تعالیٰ ہرگز اس بات کو پسند نہیں فرماتے۔ اس لیے بندہ دوڑ دوڑ کر اور بھاگ بھاگ کر گناہ کرتا ہے اور اللہ رب العزت اس کے گناہوں کے بخشنے کے حیلے بنا دیتے ہیں، بہانے بنا دیتے ہیں۔ جیسے ماں اپنے بچے کو نجاست میں لتھڑا ہوا نہیں دیکھ سکتی، اگر وہ نجاست میں لتھڑتا ہے تو ماں فوراً اس کو دھو دیتی ہے۔ اچھے کپڑے پہنا کر خوشبو لگاتی ہے، سب لوگ اس بچے کو چومتے ہیں، سینے سے لگاتے ہیں۔ اسی طرح جب بندہ اپنے دل کو گناہ کی نجاست سے گندہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو بھی اچھا نہیں لگتا، اللہ تعالیٰ بھی بہانے بناتے ہیں کہ بندہ کوئی کام ایسا کرلے جس سے گناہ معاف ہو جائیں۔ اب دیکھیے! یہ بہانے کیسے کیسے ہیں؟ آج ہم اس بات کو Analyze (غور) کریں کہ اللہ رب العزت نے بندے کے گناہ معاف کرنے کے کیا کیا بہانے بنائے ہیں۔

گناہ لکھنے میں انتظار:

ان میں سے پہلی بات کہ جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے تو اوّل تو آدھے سے زیادہ دن تو اس بندے کا گناہ نامۂ اعمال میں لکھا ہی نہیں جاتا۔ گناہ والا فرشتہ انتظار کرتا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ شرمندہ ہو جائے، اس کو ندامت ہو۔ اگر تو اس کو ندامت ہوئی تو پھر گناہ لکھنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئے گی۔ اب دیکھیے! یہ

ایک بہانہ ہی ہے نا کہ نیکی کرے تو فوراً لکھے، گناہ کرے تو کچھ انتظار کرے۔ کیوں؟ حکمت یہ تھی کہ ہوسکتا ہے کہ شہوت میں یا غصے میں اس نے یہ گناہ کرلیا، لیکن جب شہوت اور غصے کا اثر ختم ہوگا ٹھنڈے دل سے سوچے گا کہ اوہو! میں نے تو غلط کیا، مجھے ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا، میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ تو فرمایا کہ اگر صرف دل میں بھی ندامت ہو جائے گی، زبان سے بھی کچھ نہ بولے تو اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ ہم اس پر بھی اس کے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ اللہ اکبر کبیرا!

مخلوق کا استغفار:

اور آگے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ بندہ گناہ کرے اور اتنا اکھڑ ہو کہ اس کو توبہ کی طرف دھیان ہی نہ ہو، مگر میں تو چاہتا ہوں کہ اس کے دل کی ظلمت دور ہو، تو اللہ رب العزت نے مخلوق کے ذمے لگا دیا کہ تم انسانوں کے لیے استغفار کرو! حدیث پاک میں ہے: ہوا میں پرندے، بلوں میں چیونٹیاں، پانی کے اندر مچھلیاں، یہ انسانوں کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ اور پھر اس سے بڑھ کر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ﴾ (الشوری:۵)

”جو انسان زمین میں ہیں، فرشتے ان کی طرف سے استغفار کرتے ہیں۔“

معصوم فرشتوں کے ذمے لگا دیا کہ تم استغفار کرو۔ اس کو پتہ بھی نہیں چلے گا میں تمہارے استغفار کو بہانہ بنا کر بندے کے گناہوں کو دھو دوں گا۔ کیوں؟ اس

لیے کہ

بندے! تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔

میں تجھے گناہوں میں لتھڑا دیکھنا نہیں پسند کرتا، تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے، میں نے فرشتوں کو بھی تمہارے لیے استغفار پر لگا دیا۔ معصوم فرشتے استغفار کر رہے ہیں۔ اب بتائیے کہ ایک ولی کی دعائیں کیسے قبول ہوتی ہیں! اور فرشتے تو معصوم ہیں، گناہ کا تصور بھی نہیں تو ان کی دعائیں کتنی قبول ہوتیں ہوں گی؟ اس لیے

اے میرے بندے! تو مجھے بہت پیارا ہے۔

سفر میں قبولیتِ دعا:

پھر اللہ رب العزت نے بندے کے لیے اور آسانیاں فرمائیں۔ فرمایا کہ اے میرے بندے! تم سفر میں نکلو گے، سفر کی حالت میں جو دعا مانگو گے وہ دعا قبول ہوگی۔ اب اس حدیث مبارکہ میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ نیک مسافر کی دعا قبول ہوگی اور جو گناہگار ہوگا اس کی قبول نہیں ہوگی۔ نہیں! صرف مسافر کی دعا کا ذکر ہے۔ اب سفر پر تو نکلتے ہی ہیں، نیک ہوں یا بد ہوں، حالتِ سفر میں اگر ہم گناہ سے توبہ کریں، معافی مانگیں تو گناہ جلدی معاف ہو جائے گا۔ اللہ کہتے ہیں: میرے بندے! تو مسافر ہے نا! تجھے Inconvenience (بے آرامی) ہے، تمہاری اس بے آرامی کا لحاظ کرتے ہوئے ہم تجھے موقع دیتے ہیں، جو مانگو گے ہم تمہیں دیں گے۔ کیونکہ

اے میرے بندے! تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔

والدین کی دعاؤں کی قبولیت:

پھر دیکھیے! اللہ رب العزت نے ماں باپ کی دعائیں اولاد کے حق میں قبول کرنے کی بشارت دے دی۔ چنانچہ ماں باپ کی دعائیں اولاد کے حق میں اس طرح قبول ہوتی ہیں جیسے ولایتِ کبریٰ کے مقام کے اولیاء کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

دوست کی دعا دوست کے حق میں:

ایک جگہ حدیث مبارکہ میں فرمایا کہ جب کوئی دوست، دوست کی پیٹھ پیچھے دعا مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور قبول فرماتے ہیں۔ (مسند احمد، حدیث: ۲۷۵۵۸) کیوں؟ دوست سامنے تو نہیں ہے، اگر پیٹھ پیچھے یہ دعا مانگ رہا ہے تو دل میں تعلق ہے تو مانگ رہا ہے۔ ہم دل کی اس محبت کو قبول کر کے دوست کے حق میں اُس دوست کی دعا کو قبول کرتے ہیں۔

قرآن پاک میں دعا بھی سکھائی گئی:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الحشر: ۱۰)

’’اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمانداروں کی طرف سے کینہ قائم نہ ہونے پائے، اے ہمارے رب! بیشک تو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے‘‘

جو پہلے ایمان والے گزر چکے، ہم ان کے لیے بخشش کی دعا مانگ رہے ہیں، کس لیے؟ کہ

اے میرے بندے! تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔

وضو اور نماز سے گناہوں کی بخشش:

اللہ رب العزت نے ایک اور سبب بنا دیا، بندہ وضو کرتا ہے تو ہر قطرے کے ساتھ بندے کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ نماز پڑھتا ہے تو نماز کے ساتھ گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی بندے کے دروازے پر ایک نہر ہو اور وہ پانچ مرتبہ روزانہ اس کے اندر غسل کرے تو بتاؤ اس کے جسم پر میل رہے گی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میل کا تو نام و نشان ہی نہیں رہے گا۔ فرمایا: جس طرح پانچ مرتبہ نہانے سے جسم پر میل نہیں رہتی، پانچ مرتبہ نماز پڑھنے سے انسان کے دل پر بھی میل نہیں رہتی۔ (مسند احمد، حدیث: ۲۱۵۵۶) تو نماز سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں، وضو سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اللہ کے راستے میں سجدہ کیا، اس سے بھی گناہ معاف، زکوٰۃ ادا کی اس سے بھی گناہ معاف۔

جمعہ و عیدین کی نماز سے گناہ معاف:

فرمایا کہ اگر تم نے جمعہ کی نماز آ کر پڑھ لی تو پچھلے جمعہ سے لے کر اس جمعہ تک جتنے گناہ ہوں گے، سب معاف ہو جائیں گے۔ اور پھر عیدین کی نماز سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں۔ بندہ عید کی نماز پڑھتا ہے تو فرمایا: میرے بندے! کھڑے ہو جاؤ! ہم نے تمہارے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیا۔ کیوں؟

اس لیے کہ میرے بندے! تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔

بخشش اتنی آسان:

تو یہ حیلے بہانے ہیں جو اللہ رب العزت نے بندے کی بخشش کے لیے بنائے ہیں۔ اللہ نہ چاہتے تو ہمارا حق تو نہیں تھا، اگر شرط لگا دیتے کہ نہیں! تمہیں توبہ ہی کرنی پڑے گی، بس یہی طریقہ ہے۔ اگر کہہ دیتے: تمہیں گناہ بخشوانے کے لیے آگ میں سے گزر کر آنا پڑے گا تو آگ میں سے گزرنا پڑتا۔ اگر کہہ دیتے کہ تمہیں اتنے سال راتوں کو جاگنا پڑے گا، تمہیں اتنے سال کے روزے رکھنے پڑیں گے تو وہ سب کام ہمیں کرنے پڑتے، لیکن اب ہمیں تو کچھ بھی نہیں کرنا پڑ رہا، روٹین کے اعمال ہیں اور اس پر بھی گناہ معاف۔ کیوں؟

اے میرے بندے! تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔

خوش خلقی سے گناہ معاف:

پھر دیکھیے! خوش خلقی سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ دو مسلمان بھائی آپس میں ملتے ہیں یا دو مسلمان عورتیں آپس میں ملتی ہیں تو ان کے ہاتھ جدا ہونے سے پہلے ان کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے پت جھڑ کے موسم میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ (جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۲۴۴۲۷) اللہ اکبر کبیرا!

راستے سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا دی، پتھر ہٹا دیا، اس پر بھی گناہ معاف ہو جاتے ہیں، یہ کس لیے؟

اے میرے بندے! تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔

بیماری سے گناہ معاف:

پھراور دیکھیے! کہ بندے کو اس دنیا میں بیماری آتی ہے، تکلیف آتی ہے، اس پر بھی گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے: کئی مرتبہ بندہ بیمار ہوتا ہے، شفا پاتا ہے، تو اس طرح گناہوں سے پاک ہوتا ہے، جیسے اس دن پاک تھا جب اس کی ماں نے اس کو جنم دیا۔ جیسے پہلے دن یہ معصوم تھا، ایسے اللہ تعالیٰ سب گناہوں پر قلم پھیر دیتے ہیں۔ (اتحاف الخیرۃ المھرۃ للبوصیری:2/412)

اے میرے بندے! تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔

بیماری میں عبادت کا ثواب:

اور پھر دیکھیے! حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتے ہیں: یہ جو عبادتیں صحت کے زمانے میں کرتا تھا، اب اسے بخار ہے تو یہ نہیں کر سکے گا، مگر تم سب نفلی عبادتوں، تسبیحات اور تہجد کا ثواب، جو صحت کے زمانے میں کرتا تھا اسی طرح لکھتے رہنا۔ اور ہاں یہ جب کروٹ بدلے گا تو ایسے ثواب لکھنا جیسے رکوع اور سجدہ کر رہا ہوتا ہے، اور اس کی زبان سے جو کراہنے کی آواز نکلے گی تو ''سبحان اللہ''، ''الحمد للہ'' کہنے کا اجر لکھنا۔ (بخاری، حدیث:۲۹۹۶) کس لیے؟

اے میرے بندے! تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔

رمضان وحج سے گناہ معاف:

پھر رب کریم نے ایک اور بہانہ بنایا کہ رمضان المبارک میں گناہ معاف۔

رمضان المبارک میں تو گویا مغفرت کی لوٹ سیل لگی ہوتی ہے۔ ایسے اللہ کی رحمت جوش میں ہوتی ہے۔ کس لیے؟

اے میرے بندے! تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔

حج کریں تو اتنے گناہ کہ فرمایا:

((رَجَعَ كَيَوْمٍ وَّلَدَتْهُ أُمُّهٗ)) (بخاری، حدیث:۱۵۲۱)

یہ گناہوں سے اس طرح پاکیزہ ہو کر لوٹتا ہے، جیسے اس دن پاک تھا، جب اس کی ماں نے اس کو جنم دیا تھا۔ تو گناہوں سے پاک ہو کر واپس گیا۔ کیوں؟

اے میرے بندے! تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ستر پوشی:

پھر اس میں ایک خاص نکتہ دیکھیے! کہ جب آپ سے کوئی محبت کا دعوی کرے تو آپ کہتے ہیں کہ ثبوت کیا ہے؟ خاوند بیوی سے محبت کا دعوی کرتا ہے تو بیوی کہتی ہے: مجھے تو کچھ محسوس نہیں ہوتا، جو کرتے ہیں دوسروں کے لیے کرتے ہیں، میرے لیے کیا کرتے ہیں؟ ہر کوئی ثبوت مانگتا ہے۔ غور کیجیے! اگر اللہ تعالیٰ بھی فرما دیتے کہ تم توبہ کرنا چاہتے ہو تو ثبوت دو کہ تم مخلص ہو، تو پھر ہمارا کیا بنتا؟ اللہ! آپ کتنے مہربان ہیں! کہ آپ نے فقط زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو قبول کر لیا اور گواہ بھی نہیں مانگے۔

اگر کہتے کہ اچھا! تم نے دو فرشتوں کے سامنے گناہ کیے تھے، چلو دو بندوں کے سامنے گناہوں سے توبہ کرو، یوں تو پول ہی کھل جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی گواہ نہیں مانگا کہ کسی کو کانوں کان پتہ بھی نہ چلے کہ اس نے کیا کرتوت کر لیے۔ واہ

میرے مولا! آپ نے کتنی ستر پوشی فرمائی کہ ہم نے لوگوں کے سامنے، فرشتوں کے سامنے گناہ کیے، لیکن توبہ کرتے ہوئے کسی کے سامنے توبہ کی ضرورت نہیں۔ تنہائی میں بیٹھ کر بس اللہ سے توبہ کرلیں گے، معافی مانگ لیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے! تمہاری زبان پر میں اعتبار کرتا ہوں، چلو تمہاری توبہ قبول کر لیتا ہوں، اس لیے کہ

اے میرے بندے! تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔

پھر ایک اور بات بھی دیکھیے! کہ ہم نے گناہ کیے، حق تو یہ بنتا تھا کہ اللہ تعالیٰ رزق دینا چھوڑ دیتے، گھر سے نکال دیتے۔ جیسا کہ آج کل ہم دیکھتے ہیں، گھر میں کوئی بیٹا نافرمان بن جائے تو باپ بیوی کو کہتا ہے: اس کو سمجھا دو، سیدھا نہ ہوا تو گھر مت آئے۔ تو گھر سے نکال دیتے ہیں، اس کا خرچہ بند کر دیتے ہیں، اس سے اجنبیوں کی طرح بات کرتے ہیں کہ تُو میری بات سمجھتا نہیں ہے۔ بیٹا اگر باپ کی نافرمانی کرے تو باپ کا Attitude (رویہ) دیکھیے۔ اگر ہمارے گناہوں پر اللہ تعالیٰ کوئی ایسا ہی معاملہ کرتے تو ہمارا کیا بنتا؟ فرمایا: میرے بندے! تو نے اتنے گناہ کیے، میں تیرا رزق کم نہیں کروں گا، میں تیری پردہ دری نہیں کروں گا، میں تیری حفاظت کروں گا۔ اللہ اکبر کبیرا!

ایک شرابی پر اللہ کی رحمت کا عجیب معاملہ:

حضرت ذوالنّون مصری رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے، نہر کے کنارے چل رہے تھے۔ اچانک انہوں نے ایک بچھو کو دیکھا جو پانی کی طرف دوڑ رہا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ بچھو پانی میں تیرنا نہیں جانتا، ڈوب جاتا ہے۔ جب انہوں نے

دیکھا کہ یہ پانی کی طرف بھاگ رہا ہے تو اسے غور سے دیکھنے لگے۔ تو پانی کے کنارے کے اوپر ایک کچھوا تھا، یہ اس کی پشت پر جا کر بیٹھ گیا اور وہ کچھوا پانی کے اندر تیرنے لگ گیا۔ کہتے ہیں کہ میرے پاس وقت تھا میں نے ایک انوکھی چیز دیکھی تو میں بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔ کچھوا دوسرے کنارے پر آ کر رکا اور وہ بچھو نیچے اترا اور اس نے زمین پر پھر بھاگنا شروع کر دیا۔ میں بھی پیچھے پیچھے رہا۔ میں نے آگے جا کر دیکھا کہ درخت کے نیچے کوئی بندہ لیٹا ہوا نظر آ رہا تھا، یہ بچھو اس کی طرف بھاگ رہا تھا۔ میں نے بھی ایک لاٹھی اٹھا لی کہ اگر یہ اس کو ڈسنے جائے گا تو میں اس کو ماروں گا۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک کوبرا سانپ آ رہا تھا اور وہ بھی اسی نوجوان کی طرف جا رہا تھا جو درخت کے نیچے سویا ہوا تھا۔ جب وہ سانپ قریب آیا تھا تو یہ بچھو اس کے ساتھ چمٹ گیا اور اس نے اس کو ڈنگ لگا یا۔ یہ بچھوا تنا زہریلا تھا کہ وہ کوبرا سانپ وہیں لوٹنے لگا اور مر گیا۔ اور یہ بچھو پھر واپس ہوا۔ میں نے دیکھا کہ کچھوا ابھی انتظار میں تھا، یہ اس کی پیٹھ پر بیٹھا اور اس نے اس کو پھر پہلے کنارے پر پہنچا دیا۔ میں نے دل میں سوچا درخت کے نیچے سونے والا ضرور کوئی بڑا اللہ کا ولی ہوگا کہ اس کو سانپ سے بچانے کے لیے اللہ نے دوسرے کنارے سے بچھو کو بھیجا اور اس کی سواری کا انتظام کیا۔ تو چلو میں جاتا ہوں، اس سے دعا کرواتا ہوں۔ کہتے ہیں: جب میں نے قریب جا کر دیکھا تو اس نوجوان کے منہ سے شراب کی بدبو آ رہی تھی، وہ شراب کے نشے میں دھت پڑا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے اس کو جگایا، اسے بتایا کہ دیکھو! تو تو کبیرہ گناہ کر کے سویا پڑا ہے اور تیرا رب تیری حفاظت کر رہا ہے۔ کہتے ہیں: جب اس نوجوان نے سانپ کو مرے دیکھا تو آنکھوں میں آنسو

آ گئے۔ میں تو نافرمانی کا مرتکب ہو کر سو گیا اور میرا پروردگار جاگ کر میری حفاظت کرتا رہا۔ میں آج کے بعد اس پروردگار کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ (روض الریاحین مترجم: ص ۱۴۱) تو اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرماتے ہیں۔ کیوں؟ اے میرے بندے! تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔

شرمندگی سے حفاظت:

پھر دیکھیے کہ ہم تو گناہ کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ہمیں شرمندگی سے بچاتے ہیں۔ ایک مثال پر غور کیجیے کہ سیدنا آدم علیہ السلام سے ایک بھول ہو گئی تھی۔ انہوں نے ارادے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی تھی۔ قرآن مجید کی گواہی ہے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ (طہ: ۱۱۵)

"ان کے دل میں نافرمانی کا ارادہ نہیں تھا۔"

وہ تو ایک بھول تھی، نسیان تھا کہ بندے کو بعض دفعہ کسی بات کا خیال ہی نہیں رہتا۔ تو اس میں ان سے یہ کام ہو گیا کہ انہوں نے وہ دانہ کھا لیا۔ جب وہ دانہ کھا لیا تو تین کام ہوئے: پہلا کام تو یہ ہوا کہ جنت کا جو لباس پہنا ہوا تھا وہ خود بخود اتر گیا، جسم ننگے ہو گئے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام اور اماں حوا جنت کے درختوں کے پتے توڑ توڑ کر اس سے اپنا ستر ڈھانپ رہے تھے۔ اور دوسرا کام یہ کیا کہ انہیں جنت سے دنیا میں بھیج دیا اور تیسرا کام یہ کیا کہ اس کا تذکرہ قرآن پاک میں کر کے آدم علیہ السلام سے قیامت تک جتنی اولاد آئے گی، اربوں میں ہو گی، کھربوں میں ہو گی، سب کو بتا دیا۔ اب ایک بھول پر یہ تین کام ہوئے۔ سوچیں کہ یہ تینوں کام

ہمارے ساتھ ہوتے تو کیا ہوتا؟ اگر اللہ تعالیٰ قانون بنادیتے کہ

......تم گھر سے نکل کر زنا کے مرتکب ہوئے، اب لباس جسم پر دوبارہ نہیں آسکتا، تو پھر کیا ہوتا؟

......تو نے کبیرہ گناہ کیا، اب تو لوٹ کر گھر نہیں جاسکتا، پھر کیا ہوتا؟

......اگر اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ ہمارے گھر والوں پر، دوستوں پر، خاندان والوں پر کھول دیتے تو پھر کیا ہوتا؟

اللہ تعالیٰ بندے کا اتنا پردہ رکھتے ہیں کہ بیوی کے کرتوت ہوتے ہیں، خاوند کی ناک کے نیچے دیا جلاتی ہے، خاوند کو پتہ ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح خاوند کے کرتوت ہوتے ہیں بیوی کو کان وکان خبر نہیں ہوتی۔ ماں باپ کی باتوں کا اولاد کو پتہ نہیں، بھائی کا بھائی کو پتہ نہیں ہوتا، یہ کون حفاظت کرتا ہے؟ پروردگار کرتا ہے، بندے کو شرمندگی سے بچاتے ہیں۔ اگر گناہوں میں بدبو ہوتی تو آج کوئی بندہ ہمارے پاس بیٹھ ہی نہ سکتا کہ اس سے تو بہت بدبو آتی ہے۔ انسان کے جسم سے جو ہوا نکلتی ہے اس میں گندی بدبو ہو تو لوگ کتنی نفرت کرتے ہیں! اگر قانون بن جاتا کہ گناہوں کی وجہ سے پسینہ میں بدبو ہوگی تو ہم سے کتنی بو آرہی ہوتی۔ اللہ نے کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ جس سے بندے کو شرمندگی ہو۔ کیوں؟ اس لیے کہ

اے میرے بندے! تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔

بندے کی شفاعت کا انتظام:

پھر دیکھیے! اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن بندے کے لیے شفاعت کا انتظام

کیا۔ چنانچہ قرآن مجید بھی شفاعت کرے گا، روزہ بھی شفاعت کرے گا۔ فرمایا:

((اَلصِّیَامُ وَالْقُرْآنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ)) (مسند احمد: ٦٦٢٦)

جو بندہ قرآن مجید کی روزانہ تلاوت کرتا ہو تو قرآن مجید قیامت کے دن شفاعت کرے گا: اے اللہ! یہ روزانہ مجھے پڑھتا تھا، میں نہیں چاہتا کہ یہ جہنم میں جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت کو قبول کریں گے۔

چنانچہ حافظ قرآن دس بندوں کی شفاعت کر سکے گا۔ جو جہنم میں جانے والے تھے یہ انہیں لے کر جنت میں جائے گا۔

اور عالم باعمل چار سو بندوں کی شفاعت کر سکے گا۔

اور نبی علیہ السلام نے فرمایا: میری امت میں ستر ہزار ایسے بندے ہوں گے کہ جن میں سے ہر ہر بندہ اپنے ساتھ ستر ہزار بندوں کی شفاعت کر کے اپنے ساتھ جنت میں لے کر جائے گا۔ (جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۲۵۲۸۳) ایسے بھی اولیا اس امت میں ہوں گے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب ایمان والے بھی شفاعت کریں گے، انبیاء بھی شفاعت کریں گے تو پھر کوئی شفاعت کرنے والا باقی نہیں بچے گا۔ اس وقت ایک جہنمی ہوگا، جس کی آنکھ کا بال اللہ تعالیٰ سے گفتگو کرے گا: اے اللہ! دنیا میں ایک مرتبہ یہ بندہ آپ کی محبت میں، آپ کے خوف کی وجہ سے اتنا رویا تھا کہ اس کی آنکھ میں سے مکھی کے سر کے برابر چھوٹا سا آنسو نکلا تھا اور میں تر ہو گیا تھا۔ وہ آنسو گرا نہیں تھا، وہ آنسو پوری آنکھ میں نہیں پھیلا تھا، اتنا چھوٹا سا آنسو کہ بس میں تر ہوا تھا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے دل میں ڈر تو تھا، محبت تو تھی۔ اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کو فرمائیں گے کہ اعلان کر دو کہ اس بال کی گواہی کو

قبول کر کے ہم نے اس کو جنت میں ڈال دیا۔ (البحر المدید: ۲۴۱/۶) یہ کس لیے ہوگا؟

اے میرے بندے! تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت سے محبت:

پھر اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو رؤوف اور رحیم بنایا کہ وہ بھی اپنے امتیوں پر قربان۔ حالانکہ ان کو تو خوش خبری مل چکی تھی کہ اللہ رب العزت نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ﴾ (الفتح: 2)

جن کو خوشخبری مل چکی ہو کہ اللہ کی رضا ہوگی تو ان کو تو کوئی غرض ہی نہیں۔ ایک مرتبہ اس پوائنٹ پر میں نے بہت سوچا کہ واقعی جو کہتے ہیں کہ "دنیا مطلب دی او یار" یہ بات بالکل ٹھیک ہے، ہر کسی کا مطلب ہوتا ہے۔ پھر سوچتے سوچتے بالآخر ذہن اس طرف گیا کہ ٹھیک ہے، سب مطلب کے یار ہیں، مگر ایک محبت اس سے بلند بھی ہے۔ دل نے کہا: کون سی؟ تو ذہن نے کہا: اس بات کو سمجھنے کے لیے تمہیں چودہ سو سال پیچھے جانا پڑے گا۔ رات کا اندھیرا ہے، چٹائی ہے، اس پر کوئی ہستی سجدے میں پڑی ہے، کہہ رہی ہے: رب امتی! رب امتی!۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ کے آنسو جو گرتے تھے، مجھے ایسے لگتا تھا جیسے بارش کے قطرے زمین پر گر رہے ہوں۔ میرے آقا ﷺ کے آنسو اس طرح برستے تھے۔ یہ آنسو کیوں گر رہے ہیں؟ اس لیے کہ اللہ نے دل میں امت کی محبت ڈال دی۔ یہ بے غرض محبت ہے۔ یہ یا تو اللہ کو بندوں سے ہے، یا

اللہ کے حبیب ﷺ کو اپنے امتیوں سے ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امتیوں سے اتنی محبت تھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایک ایسی دعا کرنے کا اختیار دیا کہ جیسی دعا مانگیں گے ویسی ہی قبول ہوگی۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام نے دعائیں مانگیں۔ اور فرمایا: مجھے بھی اللہ نے اختیار دیا، میں نے اپنی اس دعا کو قیامت کے دن کے لیے مؤخر کر دیا۔ میں اس دن دعا مانگوں گا اور ساری امت کو لے کر جنت میں جاؤں گا۔ (ترمذی، حدیث: ۳۶۰۲) یہ اللہ کے حبیب ﷺ کی امت کے اوپر شفقت ہے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ جب نبی علیہ السلام پر آخری وقت بخار آیا تو وہ اتنا زیادہ تھا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو میں نے اوپر رضائی ڈالی تھی، وہ رضائی اوپر سے ہی گرم ہوگئی تھی، اتنی زیادہ گرم تھی۔ پیاس بھی محسوس ہو رہی تھی اور آپ ﷺ پانی کے پیالے میں ہاتھ ڈالتے تھے اور چہرۂ انور پر پھیرتے تھے۔ میں نے جب اتنی تکلیف کے عالم میں دیکھا تو پوچھا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! میں نے ایسا بخار تو کبھی نہیں دیکھا، یہ بخار کیسا ہے؟ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: عائشہ! مومن کو موت کے وقت جو تکلیف پہنچتی ہے، اس وقت اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ میں نے یہ دعا مانگی تھی: اللہ! جب میرا وقت آئے تو مجھے ساری تکلیف دے دینا اور اس کے بدلے میری امت کے گناہ معاف کر دینا۔ اس لیے مجھے زیادہ تکلیف ہو رہی ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ اُس تکلیف کو برداشت فرما رہے ہیں۔ اس حال میں تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ پوچھا: کون؟ جواب ملا کہ جبرائیل علیہ السلام اور عزرائیل علیہ السلام آئے ہیں، حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے اجازت عطا فرمائی۔ انہوں نے آکر کہا

:اے اللہ کے حبیب ﷺ! اللہ نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: جبرائیل! پہلے اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر مجھے یہ بتاؤ کہ میرے جانے کے بعد میری امت کا کیا بنے گا؟ جبرائیل علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے پوچھا تو رب کریم نے فرمایا: جبرائیل! میرے محبوب کو جا کر بتا دو ہم آپ کے بعد آپ کی امت کو لاوارث نہیں چھوڑیں گے۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ تصدیق ہو گئی تب نبی علیہ السلام نے ملک الموت کو آنے کی اجازت دی اور نبی علیہ السلام نے اس دنیا سے پردہ فرما لیا۔ اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کے دل میں ایسی رحمت ڈال دی۔ (احیاء علوم الدین :۱۷۵/۷، المعجم الکبیر للطبرانی : ۱۵۸/۳) اس لیے:

اے میرے بندے! تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔

رحمت کی تین لپّیں:

اور پھر آخری بات سن لیجیے! جہنمی جہنم کے اندر جل رہے ہوں گے، ان کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان نظر نہیں آئے گا، کوئی ان کی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا، حتیٰ کہ جلتے جلتے ہزاروں سال گزر جائیں گے، وہ کوئلے کی طرح جل کر کالے ہو چکے ہوں گے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ کی رحمت اس وقت جوش میں آئے گی اور اللہ تعالیٰ جہنم سے انسانوں کی لپ بھریں گے۔ لپ کہتے ہیں کہ جیسے گندم پڑی ہو تو انسان دونوں ہاتھوں کو ملا کر اس میں گندم بھر لیتا ہے تو اس میں چند ہزار دانے آجاتے ہیں۔ تو ہماری لپ تو ہمارے حساب سے ہے، لیکن سوچیے کہ اللہ تعالیٰ جو لپ بھریں گے تو اس میں تو کھربوں انسان ہوں گے۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ

ثَلٰثَ حَثَیَاتٍ تین لپیں بھریں گے۔ایک لپ بھریں گے نکال دیں گے...... پھر دوسری بھریں گے...... پھر تیسری بھریں گے۔ یہ وہ ہوں گے کہ جن کا جہنم سے نکلنے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ (جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۷۸۳۲)

رَحْمَةُ اللّٰهِ وَمَغْفِرَتُهٗ بِلَا سَبَبٍ مِّنَ الْعِبَادَةِ

ان بندوں کا کوئی سبب نہیں ہوگا۔

اللہ اپنی رحمت سے بلا سبب تین لپیں بھر کر نکالیں گے۔ پھر ایک حوض ہوگا، جس کے اندر ''ماء الحیاۃ'' ہوگا، ان کو کہا جائے گا: اِغْتَسِلْ فِي هٰذَا الْغَرِيْقِ اس پانی کے اندر تم نہا لو! جب وہ نہا لیں گے تو جیسے تازہ پودا اگ جاتا ہے اس طرح وہ بالکل ٹھیک انسان بن جائیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں بھیج دیں گے۔ ہزاروں لاکھوں سال جلنے کے بعد یہ لوگ جنت میں جائیں گے۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مجھے اپنا کوئی عمل ایسا نظر تو نہیں آتا جو بخشش کے قابل ہو، ہاں! میں یہ دعا مانگتا ہوں کہ اے اللہ! آپ قیامت کے دن اپنی رحمت سے جو لپیں بھریں گے، مجھے بھی اس میں شامل کر لینا۔ کوئی عمل تو پاس ایسا نہیں ہے، بس آپ نے تو لپ بھرنی ہے تو مجھے بھی اس میں شامل کر لینا۔

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارا نہ کیا
پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت تدبیر
لیکن تیری رحمت نے گوارا نہ کیا

ہم کیا کیا کرتوت کرتے پھرتے ہیں، اللہ! آپ کیسے کیسے بخشش کے بہانے

بناتے ہیں! یہ کس لیے؟ فرمایا:

اے انسان! تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے اور ہم اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کی قدر کرتے ہوئے عہد کریں کہ اللہ! آج کے بعد ہم گناہوں کو چھوڑ دیں گے اور فرمانبرداری کی زندگی گزاریں گے۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

﴿نَبِّئْ عِبَادِيْ أَنِّيْ أَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (الحجر: ۴۹)

بندۂ مومن کریمین کے مابین

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
تاریخ: 8 اپریل 2012ء بروز اتوار، ۱۵ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ

بندۂ مومن، کریمین کے مابین

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (الحجر:۴۹)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ آخَرَ:

﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ﴾ (البروج:۱۴)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

ہر انسان میں خیر اور شر کا مادہ رکھا ہے:

اللہ رب العزت نے ہر انسان میں خیر بھی رکھی ہے اور شر بھی رکھا ہے۔ جو سراپا خیر وہ فرشتے، جو سراپا شر وہ شیطان اور جو خیر اور شر کا مجموعہ وہ حضرت انسان ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾ (الشمس)

اس آیت مبارک سے پتہ چلتا ہے کہ ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے خیر کا بھی مادہ رکھا ہے اور شر کا بھی مادہ رکھا ہے، ہاں! جو اپنے اوپر خیر کو غالب کر لے اس کو اچھا انسان کہتے ہیں، اور جس کے اوپر شر غالب آجائے اس کو برا انسان کہتے ہیں۔

انسان کے دو دشمن:

انسان کے دو دشمن ہیں:

○......ایک شیطان ہے، وہ چاہتا ہے کہ انسان بدکاری کا طریقہ اختیار کرے اور اللہ رب العزت کے نافرمانوں میں شامل ہو۔

○......دوسرا دشمن نفس ہے، نفس بھی انسان کو بھڑکاتا ہے اور گناہ کرا دیتا ہے۔

اصول کی بات یہ یاد رکھیں کہ جو بندہ گناہ کر کے خوش ہو تو یہ بدبختی کی علامت ہوتی ہے اور جو گناہ کر کے نادم ہو تو نیک بختی کی علامت ہوتی ہے۔ اچھا انسان وہ جو ہر کام میں اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق قدم رکھے اور اللہ رب العزت کی حکم کی پیروی کرے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک سنت کو اپنائے۔

گناہ ہو جائے تو توبہ کر لیں:

انسان کی زندگی میں مختلف حالات ہوتے ہیں، اگر انسان یہ محسوس کرے کہ مجھ سے اس زندگی میں بہت گناہ سرزد ہوئے تو اس کو چاہیے کہ وہ توبہ کر لے، توبہ انسان کے گناہوں کو دھو دیتی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ)) (ابن ماجہ، حدیث: ۴۲۵۰)

''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہوتا ہے، جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں''

توبہ پر اللہ تعالیٰ کی خوشی:

ایک حدیث پاک میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تفصیل سے ایک بات سمجھائی، فرمایا کہ (اگر) ایک آدمی اونٹنی کے اوپر سامان لے کر جا رہا تھا اور اسے صحرا میں سے گزرنا پڑا۔ صحرا اتنا بڑا تھا کہ اس کو عبور کرنے میں اسے کئی دن لگنے تھے۔ وہ

ایک جگہ پر آرام کے لیے رکا اور اس کی آنکھ لگ گئی۔ جب جاگا تو اس نے دیکھا کہ اس کی اونٹنی سامان سمیت کہیں چلی گئی تھی۔ اب نہ اس کے پاس اونٹنی تھی کہ وہ سفر کر سکتا، نہ سامان تھا کہ کچھ کھا پی سکتا۔ گرمی تھی، پسینہ کی زیادتی تھی، ڈی ہائیڈریشن ہو رہی تھی، حلق خشک ہو رہا تھا، پینے کو پانی نہیں تھا، اس بندے کی حالت اتنی خراب ہوئی کہ اس کو یہ یقین ہو گیا کہ اب مجھے موت سے کوئی نہیں بچا سکتا، میری موت آ کر رہے گی۔ اس ڈپریشن اور غم کی وجہ سے دوبارہ اس کی آنکھ لگ گئی۔ اب جب اس نے آنکھ کھولی تو اس نے دیکھا کہ اس کی اونٹنی لدے ہوئے سامان کے ساتھ قریب ہی کھڑی ہے۔ وہ بندہ اتنا خوش ہوا، اتنا خوش ہوا کہ خوشی کی حالت میں وہ یوں کہہ بیٹھا:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَاَنَا رَبُّكَ

''اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب''

کہنا تو یہ تھا کہ اللہ! میں تیرا بندہ تو میرا رب، مگر حدیث پاک میں ہے:

اَخْطَاَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ

''خوشی کی شدت کی وجہ سے بھول گیا۔''

اس کو یہ سمجھ بھی نہ لگی کہ میں بات کیا کر رہا ہوں؟ کہنے لگا: اللہ! تو میرا بندہ میں تیرا رب۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ اس بندے کو اتنی خوشی ملی کہ اس خوش میں الٹی بات اس کی زبان سے نکل گئی، تو اس کی خوشی کی کیا انتہا ہو گی؟! نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ سچی توبہ کرتا ہے، اللہ رب العزت کو اس کی توبہ پر اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے، جتنی خوشی اس آدمی کو گم شدہ اونٹنی کے ملنے پر ہوئی

تھی ۔(جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث:۱۸۷۲۴) اس سے اندازہ لگانا چاہیے کہ اللہ رب العزت کس قدر بندوں سے محبت فرماتے ہیں!

اللہ تعالیٰ کو بندے سے محبت، ماں سے بھی زیادہ:

حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ السلام ایک مرتبہ سفر سے تشریف لا رہے تھے ،ایک عورت کو دیکھا کہ وہ روٹیاں پکا رہی ہے، مگر اس کا چھوٹا بچہ ساتھ تھا، وہ اپنے چھوٹے بچے کو آگ کے قریب نہیں آنے دے رہی تھی، اسے دور رکھ رہی تھی کہ آگ کے قریب بھی نہ آئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دکھایا کہ دیکھو! یہ ماں اپنے بچے کو آگ کے قریب بھی نہیں جانے دے رہی، اس ماں کو بچے سے کتنی محبت ہے! صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: جی ہاں، یا رسول اللہ! پھر فرمایا کہ کیا یہ ماں اپنے بچے کو اس آگ کے اندر ڈال دے گی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ اپنے بچے کو تو آگ میں کبھی نہیں ڈال سکتی، اس پر نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اَللّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا)) (کنز العمال، حدیث:۱۰۴۶۱)

”جتنا اس عورت کو اپنے بچے پر پیار ہے، اللہ رب العزت کو اپنے بندے سے اس سے زیادہ پیار ہوتا ہے۔“

ماں اگر بچے کو آگ میں ڈالنا پسند نہیں کرتی، اللہ رب العزت بھی بندے کو دوزخ میں ڈالنا پسند نہیں فرماتے۔ معلوم ہوا کہ ہم اپنے کرتوتوں کی وجہ سے، اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے، اپنی غفلتوں کی وجہ سے، اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ (النحل:۳۳)

''اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیے ہیں''

ہم اپنے پاؤں پر خود کلہاڑیاں مارتے ہیں، گناہ کر کر کے جہنم کے راستے کو ہموار کرتے ہیں، مشقت اٹھا اٹھا کر ہم جہنم کو اپنے لیے جائز بنا دیتے ہیں، یہ سب ہماری اپنی کوتاہی ہے۔

خالص توبہ سے گناہ نیکیوں میں تبدیل:

بہر حال جس بندے نے کلمہ پڑھا وہ اللہ رب العزت کا پیارا بندہ ہوتا ہے۔ زندگی میں جس وقت بھی توبہ کرے اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، توبہ کا دروازہ ہر قت کھلا ہے، چنانچہ علما نے لکھا ہے کہ جب انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں، بسا اوقات اللہ تعالیٰ اتنے خوش ہوتے ہیں کہ اس بندے کے گناہوں کو اس کی نیکیوں میں بدل دیتے ہیں۔

﴿فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ﴾ (الفرقان:۷۰)

قرآن مجید اس پر گواہی دے رہا ہے کہ بعض بندے ایسی سچی پکی توبہ کرتے ہیں کہ ان کے اخلاص کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ اس گناہ کو معاف ہی نہیں فرماتے، بلکہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہوگا اور اللہ تعالیٰ بعض بندوں کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کریں گے تو شیطان پچھتائے گا کہ کاش! میں نے ان سے اتنے گناہ کروائے ہی نہ ہوتے کہ یہ سب گناہ آج نیکیاں بنا دی گئیں۔ سبحان اللہ!

اللہ کی صفت غفاریت کا ظہور:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے

ارشاد فرمایا:

((لَوْلَا اَنَّكُمْ تُذْنِبُوْنَ لَخَلَقَ اللّٰهُ خَلْقًا يُّذْنِبُوْنَ يَغْفِرُ لَهُمْ))

(صحیح مسلم، حدیث: ۲۷۴۸)

''اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو پیدا کر دیتے کہ جو گناہ کرتے اور (پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتے) اللہ تعالی ان کو معاف فرما دیتے۔''

مقصد اس کے بتانے کا یہ ہے کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ انسان کی زندگی سے گناہ سو فیصد ختم ہو جائیں۔ ہم فرشتے تو ہیں نہیں، ہیں تو انسان ہی، غلطی کوتاہی تو ہم سے ہوگی ہی سہی۔ تو فرمایا کہ اگر تم ایسے بن جاؤ کہ تم کوئی گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ختم کر دیں گے اور تمہاری جگہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا کر دیں گے جو گناہ کریں گے، پھر معافی مانگیں گے، تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف کر دیں۔

اس کی ایک وجہ سمجھ لیجیے! اللہ رب العزت نے انسان کو پیدا کیا تو اس سے اللہ تعالیٰ کی خالقیت کی صفت کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہیں، وہ مخلوق کو پیدا کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ بندوں کو روزی دیتے ہیں، اس روزی دینے سے اللہ تعالیٰ کی رزاقیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس لیے فرمایا:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ (ھود: ٦)

''زمین پر جو بھی کوئی جاندار ہے اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔''

اس سے اللہ تعالیٰ کی رزاقیت کا پتہ چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کلمہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی، اس سے اللہ تعالیٰ کے ہادی ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ غفار بھی ہیں، معاف کر دینے والے بھی ہیں، لہٰذا اگر پوری زندگی

ہیں کوئی بھی گناہ کرنے والا نہ ہوتو اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا ظہور کیسے ہوگا؟ اس لیے فرمایا کہ اگر تم گناہ کرنا چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو پیدا کر دیں گے، جو گناہ کریں گے، اللہ سے معافی مانگیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔

گناہگاروں کے لیے امید کی کرن:

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب ہم گناہ کرنا ہی شروع کر دیں، یہ تو پھر انسان کی بے خوفی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوگی۔ ہمیں یوں سوچنا چاہیے کہ ہم سے جو گناہ سرزد ہوئے، اگر ہم توبہ کرلیں تو وہ قابل معافی ہیں۔ بعض اوقات بندے کے دل میں مایوسی آجاتی ہے، شیطان انسان کا دشمن ہے، وہ انسان کو یہ کہتا ہے کہ تو ساری دنیا سے زیادہ بدکار انسان ہے، تیری مغفرت کیسے ہوگی؟ یہ حدیث مبارکہ ایسے لوگوں کے لیے ہے جو گناہ کر کر کے اپنی زندگی سے مایوس ہو جائیں۔ یہ ان کو بھی امید دلاتی ہے، یہ ان کو بھی امید کی کرن دکھاتی ہے کہ نہیں، اگر تم بھی توبہ کرلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو بھی معاف کر دیں گے۔

عادی گناہگار بھی مایوس نہ ہو:

کبھی کبھی انسان بعض گناہوں کا عادی بن چکا ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ جی! میں گناہ چھوڑ ہی نہیں سکتا، مثلاً: جھوٹ بولنے کی عادت بن جاتی ہے، غیبت کرنا عادت بن جاتی ہے، بدنگاہی کرنا عادت بن جاتی ہے، شراب پینا عادت بن جاتی ہے، زنا کرنا عادت بن جاتی ہے، انسان سوچتا ہے کہ میں تو یہ گناہ نہیں چھوڑ سکتا۔ تو علما نے لکھا ہے کہ ایسا بندہ کہ عادی مجرم بن چکا ہو، اس کو بھی چاہیے کہ وہ مایوس

نہ ہو، بلکہ روزانہ عشاء کے بعد دو رکعت نفل صلاۃ التوبۃ کے پڑھے اور پھر نیت کرے کہ اللہ! میرے سب گناہوں کو معاف فرما دے، اور مجھے گناہوں سے بچا لے۔ یہ جو روزانہ کے دو نفل ہوں گے ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس بندے کو توبہ کی توفیق عطا فرما دیں گے۔ ؎

وہ چشمِ محبت تو جویائے محبت ہے
کر کے تو کوئی دیکھے یارانہ ذرا ان سے

اللہ تعالیٰ تو بندے کے انتظار میں ہیں، کوئی اللہ تعالیٰ سے دوستی کر کے تو دیکھے، کوئی قدم بڑھا کر تو دیکھے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے کیسے دوستی فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس بندے کو کیسے قبول کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا کیا کہنا!

رحمت کا لامتناہی سمندر:

قرآن مجید میں رب کریم ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ﴾ (الاعراف: ۱۵۶)

''اور میری رحمت ہر چیز سے زیادہ وسیع ہے''

گویا ساری دنیا کے انسانوں کے گناہ اکٹھے کر لیے جائیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سامنے وہ کوئی بھی حقیقت نہیں رکھتے۔

ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر میں تشریف فرما تھے۔ ایک جگہ دریا کے کنارے پڑاؤ ڈالا اور نماز پڑھی، نماز پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کی مغفرت کی دعا خوب رو رو کر مانگی۔ اتنے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ چڑیا آئی اور زمین پر بیٹھ کر اس نے ریت کے دو چار دانے اپنے چونچ میں لیے اور دریا کے اوپر اڑ کر چلی گئی، پھر تھوڑی دیر بعد آئی پھر آ کر اس نے ایک دو دانے لیے پھر پانی پر چلی

گئی، اس طرح دو تین دفعہ یہ معاملہ ہوا تو نبی علیہ السلام سوچنے لگے، یہ چڑیا کیا کر رہی ہے؟ اسی لمحے جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: جبرئیل! بتاؤ یہ چڑیا ایسے کیوں کر رہی ہے؟ عرض کیا: اے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے رو رو کر امت کے گناہوں کی مغفرت کی دعا مانگی، اللہ تعالیٰ نے ایک مثال آپ کی آنکھوں کے سامنے دکھا دی کہ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ چڑیا اتنی چھوٹی سی ہے اور اس کی چونچ کے اندر دو چار ذرے ہی ریت کے آتے ہیں اور یہ اس ریت کو جا کر دریا کے اوپر پھینک رہی ہے، پانی کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ ریت کے کچھ ذرے ڈالے بھی گئے ہیں یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ دکھا رہے ہیں کہ اے میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جس طرح ریت کے دو چار ذرے دریا کے پانی کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے، آپ کی ساری امت کے ٹوٹل گناہ ان ریت کے ذرات کے مانند ہیں اور میری رحمت پانی کے اس دریا کے مانند ہے، میں چاہوں گا تو آپ کی امت کے سب گناہوں کو معاف کر دوں گا۔ سبحان اللہ!

☐ اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (الانعام: ۵۴)

''اللہ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر دیا''

❂ ایک جگہ فرمایا کے دیکھو میں ارحم الراحمین ہوں۔

❂ ایک جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (البقرۃ: ۱۴۳)

'' بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر رؤف ہیں اور رحیم ہیں''

❁ اور ایک جگہ فرمایا:

﴿رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُوالرَّحْمَةِ﴾ (الکھف:۵۸)

''تمہارا رب مغفرت کرنے والا ہے اور بڑی رحمت والا ہے''

جو آیت شروع میں تلاوت کی اس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿نَبِّئْ عِبَادِيْ اَنِّيْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (الحجر:۴۹)

''میرے بندوں کو بتادو میں بڑا غفور اور بڑا رحیم ہوں''

اس کا مقصد یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو بخشنا چاہتے ہیں، اپنی رحمت میں سے حصہ دینا چاہتے ہیں۔ تبھی تو یوں اندازِ کلام فرمایا کہ میرے بندوں کو بتادو کہ میرے بندے میری مغفرت اور رحمت سے فائدہ اٹھا سکیں۔

❁ ایک جگہ فرمایا:

﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ﴾ (البروج:۱۴)

''اور وہ اللہ تعالیٰ بڑا مغفرت کرنے والا ہے، اور وہ بڑی محبت کرنے والا ہے۔''

سبحان اللہ! ان دو الفاظ کا اکٹھے ایک جگہ آنا، اس میں بڑا راز ہے، بڑی حکمت ہے۔ اس لیے کہ جب محبت ہوتی ہے تو دوسرے کی غلطی کو معاف کر دینا آسان ہوتا ہے۔ آپ سوچیں! ماں اپنے چھوٹے بچے کو اٹھائے ہوتی ہے، وہ بچہ ماں کے بال کھینچ لیتا ہے، ماں معاف کر دیتی ہے، وہ بچہ ماں کے چہرے پر تھپڑ لگا دیتا ہے، ماں محبت کی وجہ سے اس بچے کے ہاتھوں کو چومنے لگ جاتی ہے۔ سبحان اللہ! اتنی اللہ کی رحمت ہے کہ فرمایا: دیکھو! میں بخشنے والا بھی ہوں، محبت کرنے والا بھی ہوں، مجھ سے اگر بخشش مانگو گے تو میں محبت کی وجہ سے

جلدی معاف کر دوں گا۔ جس طرح ماں اپنے چھوٹے معصوم بچے کی غلطی کو غلطی نہیں سمجھتی، جلدی معاف کر دیتی ہے۔ اسی طرح بندہ اللہ کے سامنے جب توبہ کرتا ہے، اللہ رب العزت بھی اس بندے کی غلطیوں کو جلدی معاف کر دیتے ہیں۔

اس لیے فرمایا کہ میرے بندے! تو نے ایک دفعہ توبہ کی توڑ بیٹھا، پھر توبہ کی، پھر توڑ بیٹھا، پھر توبہ کی پھر توڑ بیٹھا،

صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

سو دفعہ توبہ کی اور سو دفعہ توڑ بیٹھا، میری رحمت کا دروازہ اب بھی کھلا ہے، تو آ کر توبہ کرے گا تو میں تیری توبہ کو قبول کر لوں گا۔

امید افزا قرآنی آیت:

قرآن مجید کی ایک آیت ہے جو پڑھ کر بڑا حوصلہ ملتا ہے، بہت تسلی ملتی ہے، یہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ امید افزا آیت ہے۔ یعنی جس سے سب سے زیادہ امید لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ (الزمر: ۵۳)

اے میرے پیارے حبیب! آپ میرے بندوں کو بتا دیجیے! جنہوں نے اپنی جانوں کے اوپر ظلم کیا:

﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾

''میری رحمت سے مایوس نہ ہونا۔''

اس آیت مبارکہ کا جو انداز ہے، وہ بڑا ہی پیارا ہے۔ دنیا میں ایک مثال

سمجھ لیجیے کہ باپ اگر بیٹے سے کسی وجہ سے ناراض ہو جائے، جب بات کرنی ہو تو وہ پھر بیوی کے ذریعے سے بات کرتا ہے، بیوی کو کہتا ہے: بیٹے کو سمجھا لو کہ ٹھیک ہو جائے، ورنہ میں اسے گھر سے نکال دوں گا۔ یہ میری بات کو مانے۔ گویا باپ جو بات کر رہا ہے، وہ بالکل اجنبی کے لہجے میں بات کر رہا ہے، اس لیے کہ غصے میں ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت ان بندوں کا تذکرہ فرماتے ہیں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ جو گناہ گار ہیں، جو خطا کار ہیں ان کو اللہ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ يٰعِبَادِیَ﴾ کہہ دو اے میرے بندو! (سبحان اللہ!) گویا گناہ کرنے کے باوجود بھی اللہ کے بندوں کی فہرست سے وہ خارج نہیں ہوئے۔ اگر کوئی بچہ غلطی کرے تو والد کہے: اے میرے بیٹے! تو میرا بیٹا کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ باپ معاف کرنا چاہتا ہے۔ اور اگر باپ ناراض ہے تو پھر کہتا ہے: اسے سمجھا دو! یہ کیوں نہیں سیدھا ہوتا؟ یہ کیوں نہیں سنتا؟ اللہ تعالیٰ ایسے تو نہیں کلام فرما رہے، رب کریم نے یہ فرمایا: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ (سبحان اللہ!) چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت کو پڑھ کر سب سے زیادہ امید لگ جاتی ہے۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ نہیں! اس سے بھی امید لگتی ہے، مگر اس سے بھی زیادہ امید اس آیت سے لگتی ہے جو قرآن مجید میں ہے:

﴿اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ﴾ (الرعد: ٦)

”بے شک تیرا رب بندوں کی مغفرت کرنے والا ہے، باوجود ان کے گناہوں کے“

فرمایا کرتے تھے کہ عَلٰى ظُلْمِهِمْ اگرچہ وہ گناہ کرنے کی حالت میں ہیں،

اس حال میں بھی ان کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔معلوم یہ ہوا کہ ابھی گناہ چھوڑے بھی نہیں، مگر پھر بھی اگر اللہ تعالیٰ سے امید رکھے گا اور اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔سبحان اللہ! سبحان اللہ!

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کی شانِ مغفرت:

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور قیامت کے دن ہوگا، جب اللہ تعالیٰ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے کروڑوں انسانوں کو بغیر حساب کتاب کے جنت عطا فرمائیں گے۔ چنانچہ ابوعمامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((وَعَدَنِي رَبِّي أَنْ يُدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعِينَ أَلْفًا لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ))

''میرے رب نے میرے ساتھ یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ جنت میں داخل کریں گے میری امت میں سے ستر ہزار لوگوں کو، نہ ان پر کوئی حساب ہوگا نہ ان کے اوپر کوئی عذاب ہوگا۔''

جب پہلی مرتبہ فقیر نے یہ حدیث پڑھی تو پڑھ کر خوشی بھی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ستر ہزار لوگوں کو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کریں گے اور غم بھی ہوا کہ یا اللہ! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے لوگ تو اربوں کھربوں میں ہوں گے۔اب ان کھربوں لوگوں میں سے صرف ستر ہزار لوگ بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے، تو پھر ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں، ہماری کیا اوقات ہے؟ ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے، مگر اس حدیث میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آگے فرمایا:

((مِنْ كُلِّ أَلْفٍ سَبْعُونَ أَلْفًا))

میری امت کے یہ ایسے لوگ ہوں گے کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار بندے

اور بھی بغیر حساب کتاب جنت میں جائیں گے۔اب جب سنا کہ اتنے لوگ بغیر حساب کتاب جنت میں جائیں گے تو دل میں بات آئی کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم گناہ گار بھی یہ امید کر سکتے ہیں کہ اللہ ہمیں بغیر حساب کتاب کے جنت عطا فرما دیں۔اگر چہ ہم گناہ گار ہیں، اگر چہ ہم خطا کار ہیں، لیکن ہم گناہ گار بھی یہ دعا مانگ سکتے ہیں کہ اللہ! ہمیں بغیر حساب کتاب کے جنت عطا فرما دے۔

رحمت کی تین لپّیں:

اور اسی حدیث پاک میں ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن میری امت کے گناہ گار جہنم میں جائیں گے اور نیکو کار جنت میں جائیں گے۔ پھر ان میں سے اللہ تعالیٰ جب چاہیں گے جہنم میں سے تین لپّیں بھر کر میرے امتیوں کو جنت میں پہنچائیں گے۔لپ کہتے ہیں کے دونوں ہاتھ اگر آپ استعمال کریں اور ان کو ملا کر آپ کے سامنے جو آٹا یا کوئی اور چیز ہو، اس میں ڈال کر دونوں ہاتھوں میں وہ بھر لینا، یہ لپ کہلاتی ہے۔تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تین لپیں بھر کر ان کو جنت میں ڈالیں گے۔حدیث مبارکہ میں فرمایا: ﴿ثَلٰثُ حَثَيَاتٍ﴾ کہ میں تین لپیں بھروں گا اور جو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہوں گے ان کو اپنی رحمت کی وجہ سے جہنم سے نکال کر جنت عطا کر دوں گا۔ (ترمذی، حدیث: ۲۴۳۷) اللہ اکبر کبیرا! یہ اتنی بڑی بات ہے! اس کو پڑھ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت دل میں بڑھتی ہے، اس کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی غفاریت کا اور زیادہ دل کے اندر یقین پیدا ہوتا ہے کہ وہ پروردگار کس طرح گناہوں کو معاف فرمائیں گے اور کس طرح نبی علیہ السلام کی امت کے گناہوں کو قیامت کے دن بخشا جائے گا!

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت للعالمینی:

ایک حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِہٖ اَوْ نَفْسِہٖ)) (بخاری، حدیث: ۹۹)

''قیامت کے دن انسانوں میں سب سے زیادہ سعید وہ شخص ہوگا جسے میری شفاعت ملے گی کہ جو لا الہ الا اللہ دل سے خالص ہو کر Sincere ہو کر کہے گا''

فرماتے ہیں کہ میں قیامت کے دن ان کی شفاعت کروں گا جو خلوصِ دل سے کلمہ پڑھنے والے ہوں گے۔ گویا مومنین کے لیے اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن اپنے کرم کا اظہار فرمائیں گے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنی رحمت للعالمینی کا اظہار فرمائیں گے۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!

امت کی مغفرت کے لیے نبی علیہ السلام کی دعائیں:

یہ کتنی مزے کی بات ہے! چنانچہ ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا مانگی:

((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِعَائِشَۃَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِھَا وَ مَا تَأَخَّرَ مَا اَسَرَّتْ وَ مَا اَعْلَنَتْ))

''اے اللہ! عائشہ کے اگلے اور پچھلے سب گناہوں کو معاف کر دیجیے اور جو چھپے ہوئے ہیں، یا اعلانیہ ہیں ان سب گناہوں کو معاف کر دیجیے۔''

تو عائشہ رضی اللہ عنہا تو بہت خوش ہوئیں اور کہنے لگیں کہ اے اللہ کے پیارے حبیب! آپ نے تو آج مجھے بہت عظیم دعا دے دی۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد

فرمایا: عائشہ! میں ہر نماز کے بعد روزانہ اپنی امت کے ہر شخص کے لیے یہی دعا کرتا ہوں۔ (صحیح ابن حبان، حدیث: ۷۱۱۱)

اللہ! تو کتنا کریم ہے! اور تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کتنے کریم ہیں! کتنے رحمت للعالمین ہیں! کتنے ﴿رؤوف رَحِیم﴾ ہیں! کہ اپنی امت کے ہر بندے کے لیے یہ دعا مانگتے ہیں۔ اللہ! ان کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کر دینا۔ اور ان کے چھپے اور کھلے سب گناہوں کو معاف کر دینا۔

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی علیہ السلام نماز کی حالت میں پوری رات یہ آیت پڑھتے رہے:

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (المائدۃ:۱۱۸)

''اے اللہ! اگر آپ اپنے بندوں کو عذاب دیں گے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر آپ ان کی مغفرت کریں گے تو آپ عزیز ہیں اور حکیم ہیں۔''

یعنی آپ کو یہ بات سجتی ہے۔

دو کریموں کے درمیان معاملہ:

قیامت کے دن ہمارا معاملہ ان دو کریموں کے ساتھ ہوگا۔ ایک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوں گے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ (الضحیٰ:۵)

''تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا، جب تک میرا آخری امتی بھی جنت میں نہیں چلا جائے گا۔ سبحان اللہ! یہ اللہ رب العزت کے

پیارے حبیب ﷺ کا فرمان ہے کہ میں قیامت کے دن اپنی امت کے گنہگاروں کی بخشش کی دعائیں کروں گا۔ اس لیے حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عجب نہیں تیری خاطر سے تیری امت کے
گناہ ہوویں قیامت کو طاعتوں میں شمار
بکیں گے آپ کی امت کے جرم ایسے گراں
کہ لاکھوں مغفرتیں کم سے کم پہ ہوں گی نثار

''اے اللہ کے حبیب ﷺ! قیامت کے دن آپ کی امت کے گناہگاروں کے گناہ اتنے مہنگے بکیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو مغفرتوں کے ذریعے سے خرید لیں گے۔''

سبحان اللہ! ہم خوش نصیب ہیں کہ ہم نبی علیہ السلام کے امتی ہیں۔

یا رب تو کریم ، یا رسولِ تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

''اے اللہ! آپ بھی کریم ہیں اور آپ کے پیارے حبیب ﷺ بھی کریم ہیں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر کہ میرا معاملہ تو دو کریموں کے درمیان ہے۔''

دو کریموں میں امیدوں کا سہارا مل گیا۔

نہ آخر رحمۃ للعالمینی
ز محروماں چرا غافل نشینی

اللہ رب العزت رحمت فرمائیں گے اور گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔

...... ہمارے پیارے حبیب ﷺ بھی کریم

...... ہمارا پروردگار بھی کریم۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیاری دعا:

اس لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی کہ آدمی کے جتنے بھی گناہ ہوں اگر وہ اللہ سے خلوص کے ساتھ توبہ کرے، مغفرت مانگے، اللہ گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ چنانچہ دعا سکھائی:

((اَللّٰھُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ))

''اے اللہ! آپ کی مغفرت میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے۔''

((وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ)) (شعب الایمان، حدیث: ۶۷۲۴)

''اور مجھے اپنے عملوں کے بجائے تیری رحمت سے زیادہ امید ہے۔''

چنانچہ ہمیں اللہ سے یہی دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو بھی معاف کر دے اور ہمیں اپنے مقبول بندوں میں بھی شامل فرما دے۔ دو کریموں کے درمیان ہم اپنے گناہوں کی کیوں نہ بخشش مانگیں؟ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔

چیخ اٹھا ہر بے گناہ، میں بھی گناہگاروں میں ہوں:

ایک شاعر نے کیا خوب صورت بات کہی ہے! فرماتے ہیں: ؎

یَا نَفْسُ لَا تَقْنَطِیْ مِنْ زَلَّةٍ عَظُمَتْ
اِنَّ الْكَبَائِرَ فِی الْغُفْرَانِ كَاللَّمَمِ

''اے نفس! تو مایوس نہ ہو اپنے گناہوں کی زیادتی اور بڑے ہونے کی بنا پر، اس لیے کہ جو کبائر ہیں، وہ اللہ کی مغفرت کے سامنے کوئی حقیقت

نہیں رکھتے۔''

لَعَلَّ رَحْمَةَ رَبِّي حِيْنَ يَقْسِمُهَا
تَأْتِي عَلٰى حَسَبِ الْعِصْيَانِ فِي الْقَسَمِ

(دیوان البوصیری: ص ۲۵۲)

قیامت کے دن جب اللہ اپنے بندوں پر رحمت فرمائیں، انہوں نے رحمت تو بندوں میں تقسیم کرنی ہی ہوگی، وہ کس قاعدے اور قانون کے تحت کریں گے، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ قانون بنادیں کہ جس بندے کے گناہ جتنے زیادہ ہیں اس کو میری رحمت میں سے اتنا حصہ زیادہ دے دیا جائے۔ سبحان اللہ! اگر اللہ کی رحمت قیامت کے دن گناہوں کے بقدر ملے گی تو پھر گناہ تو یقیناً معاف ہوجائیں گے۔ اسی کو کسی کہنے والے نے کہا: ؎

وہ نظارے شانِ رحمت نے دکھائے روزِ حشر
چیخ اٹھا ہر بے گناہ، میں بھی گناہگاروں میں ہوں

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن گنہگار بندوں پر اتنی رحمت فرمائیں گے، اتنی رحمت فرمائیں گے کہ جو بے گناہ ہوں گے وہ بھی قیامت کے دن چیخیں گے اور کہیں گے: اللہ! ہم بھی گنہگار رہیں، ہم پر بھی رحمت فرمادیجیے۔ اللہ کتنا کریم ہے! کتنا مہربان ہے! اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی مغفرت سے، اپنی رحمت سے حصہ عطا فرمائے۔ اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے اور ہمیں نیکوکاری اور پرہیز گاری کی زندگی عطا فرمائے۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾
(التحریم:۸)
خواتین میں توبہ
کی ایک بات
بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدة السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
تاریخ: 22 ستمبر 2012ء بروز ہفتہ، ۵ ذی قعد ۱۴۳۳ھ
آن لائن بیان

خواتین میں توبہ کی ایک بات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا﴾ (التحریم:۸)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

گناہ کے اثرات:

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الداء والدواء'' میں یہ لکھا ہے کہ انسان جو بھی گناہ کرتا ہے، اس کا وبال آخرت میں تو ہوتا ہی ہے، دنیا میں بھی ہوتا ہے۔

✪ طاعت سے محرومی:

مثال کے طور پر: طاعت سے محرومی۔ گناہوں کی یہ تاثیر ہے کہ بندے کا دل نیکی کرنے کو نہیں چاہتا۔ نماز کو جی نہیں چاہتا، تلاوت کو جی نہیں چاہتا، شریعت پر عمل کرنا بوجھ محسوس ہوتا ہے۔

✪ دل کی بے چینی:

ایک اثر گناہوں کا یہ بھی ہے کہ دل پر بوجھ محسوس ہوتا ہے، دل بے چین

ہوتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ روگ پال لیتے ہیں، ان کو دن میں اطمینان ہوتا ہے نہ راتوں میں نیند آتی ہے۔ ہر وقت دل بے چین ہوتا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ سکون تو ان سے روٹھ ہی گیا ہے۔

✿ دعائیں قبول نہیں ہوتیں:

گناہوں کا ایک اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ چنانچہ کتنے لوگوں کو ہم نے دیکھا کہ جو یہ کہتے ہیں کہ ''جی اللہ تو ہماری سنتا ہی نہیں'' حالانکہ

﴿اِنَّ رَبِّی لَسَمِیْعُ الدُّعَاءِ﴾

''میرا پروردگار تو ہر کسی کی دعا کو سنتا ہے''

لیکن ہر بات کو پورا کرنا اور ماننا یہ الگ بات ہے۔ ہم اپنی زندگی میں یہ دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی بیٹا اپنے باپ کو ناراض کر لے تو اس کے بعد وہ فرمائشیں بھی کرتا رہے، باپ اس کی بات سنی ان سنی کر دیتا ہے۔ اسی طرح جو بندہ اپنے رب کو ناراض کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی دعاؤں کو سنی ان سنی کر دیتا ہے۔

✿ زوالِ نعمت:

گناہوں کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ نعمتوں کو زوال آجاتا ہے۔ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ دیتے ہیں، وہ واپس چلی جاتی ہیں۔ عزت کے بجائے ذلت ہوتی ہے...... پریشانیاں ہوتی ہیں...... کام ادھورے ہوتے ہیں...... کوئی کام بھی پورا نہیں ہوتا، جس کام میں ہاتھ ڈالو وہ کام ادھورا۔

یہ سب گناہوں کے اثرات ہوتے ہیں۔

گناہوں کے اثرات سے بچنے کا طریقہ:

ان گناہوں کے اثرات سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان اللہ رب العزت کے حضور سچی توبہ کرے۔ ارشاد فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ (التحریم:۸)

''اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی توبہ کرو''

توبہ کی شرائط:

توبہ کہتے ہیں:

ایک تو انسان گناہوں کو چھوڑے۔

دوسرا: ان گناہوں پر نادم وشرمندہ ہو۔

تیسرا: آئندہ گناہ نہ کرنے کا دل میں عزم ہو۔

اور اگر وہ گناہ حقوق العباد سے متعلق ہے تو ان حقوق کو واپس کرے یا معافی مانگے۔

اگر یہ شرائط پوری ہو جائیں تو انسان کی توبہ اللہ رب العزت کے ہاں پوری ہو جاتی ہے۔

ایک شرط گناہ سے توبہ کی یہ بھی ہے کہ انسان اللہ کے ڈر کی وجہ سے گناہ چھوڑے۔ اگر کسی اور نیت کی وجہ سے گناہ چھوڑا تو وہ توبہ نہیں کہلائے گی۔

مثلاً: اس لیے گناہ چھوڑے کہ جی بہت بدنامی ہوگئی تو اس کو توبہ نہیں کہیں گے۔ اگر اس لیے گناہ چھوڑا کہ اب گناہ کا موقع ہی نہیں رہا تو اس کو بھی توبہ نہیں کہیں گے۔ اگر اس لیے گناہ چھوڑا کہ جی بیماری لگ سکتی ہے تو بھی توبہ نہیں، اگر

اس لیے گناہ چھوڑا کہ مال بہت خرچ ہو جاتا ہے، تو بھی توبہ نہیں۔ مثلاً: ایک انسان جوا کھیلنے سے توبہ کرتا ہے کہ جی بہت (Loss) نقصان ہوتا ہے۔ پھر یہ توبہ نہیں کہلاتی۔

توبہ کہتے ہیں کہ انسان گناہ کو اللہ رب العزت کے ڈر کی وجہ سے چھوڑے۔

توبہ کے بعد کرنے کے کام

جب بھی کوئی توبہ کرے تو اس کو چند کام کرنے چاہییں۔

پہلا کام...... برے دوستوں سے علیحدگی اختیار کرے:

برے دوستوں سے الگ ہو جائے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''یارِ بد مارِ بد سے بھی زیادہ برا ہوتا ہے'' یارِ بد کہتے ہیں: برے دوست کو اور مارِ بد کہتے ہیں: زہریلے سانپ کو۔ تو برا دوست زہریلے سانپ سے بھی زیادہ برا۔ کیا مطلب؟ کہ زہریلا سانپ اگر کاٹ لے تو انسان کی جان کو خطرہ اور اگر برا دوست ڈس لے تو انسان کے ایمان کو خطرہ ہوتا ہے۔

ایک دوسری بات امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھی ہے کہ ''یارِ بد شیطان سے بھی زیادہ برا ہے''۔ جب پہلی بار یہ بات لکھی ہوئی پڑھی تو مجھے بہت ہی زیادہ حیرت ہوئی کہ شیطان تو مردود ہے اور برا دوست جو بھی ہے، آخر کلمہ گو مسلمان ہے، شیطان سے بھی برا کیسے ہو گیا؟ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر آگے اس کی تفصیل لکھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ شیطان انسان کو گناہ کی طرف متوجہ کرتا ہے تو ذہن میں گناہ کا خیال ڈالتا ہے، آگے عمل کرنا نہ کرنا بندے کی اپنی مرضی ہوتی ہے، لیکن

برا دوست انسان کے ذہن میں گناہ کا خیال ہی نہیں ڈالتا، وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے گناہ کروا دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ برا دوست شیطان سے بھی زیادہ برا ہوتا ہے۔ جب تک انسان برے دوستوں کو نہیں چھوڑے گا، اس کی توبہ پکی سچی نہیں ہوگی۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ اگر کوئی موتی گندی نالی کے اندر پڑا ہے، اب اس کو پاک صاف کرنے کے لیے اگر اس کے اوپر پانی ڈالنا شروع کر دیں تو آپ اگر سو لیٹر پانی بھی ڈالیں گے تو وہ پھر بھی گندے کا گندہ رہے گا، اس لیے کہ وہ گندی نالی میں جو پڑا ہوا ہے۔ اور اگر گندی نالی میں سے نکال دیں تو ایک گلاس پانی ڈالنے سے بھی وہ صاف اور پاک ہو جائے گا۔ اسی طرح برے دوستوں کی محفل میں رہتے ہوئے انسان نیک نہیں بن سکتا، ان کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے روزانہ عہد بھی کرتے ہیں۔ وتر کی نماز میں یہ دعا پڑھتے ہیں:

وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ

''اے اللہ! ہم نے (چھوڑ دیا) خلع حاصل کر لی ان لوگوں سے جو تیرے نافرمان ہیں۔''

رات کو نماز میں ہم اللہ سے عہد کرتے ہیں اور دن ہوتا ہے تو انہی لوگوں سے ہماری دوستی ہوتی ہے۔ تو توبہ کرنے والا بندہ برے دوستوں کو فوراً چھوڑ دے۔

دوسرا کام ..... توبہ میں تاخیر پر توبہ کرے:

اور دوسرا یہ کام کرے کہ توبہ میں تاخیر پر بھی توبہ کرے۔ مثال کے طور پر:

گناہ کیا تھا جوانی کی عمر میں، اب بڑھاپا آ گیا اور ابھی تک توبہ نہیں کی۔ یہ جو توبہ میں تاخیر ہوئی، یہ بھی مستقل ایک گناہ ہے۔ اب دو گناہ ہو گئے: ایک جو جوانی میں گناہ کیا تھا اور دوسرا جو توبہ کرنے میں دیر کر دی، اس پر بھی انسان اللہ کے حضور توبہ کرے۔

تیسرا کام......نفس پر اعتماد نہ کرے:

تیسرا یہ کہ پھر اپنے نفس پر اعتماد نہ کرے۔ اگر برے دوست ہیں تو سب برے دوستوں کے ٹیلی فون نمبر اور میسجز ڈیلیٹ کر دے۔ یہ نہیں کہ میسج آتے ہیں، میں پڑھ لیتی ہوں، مگر میں رسپانس نہیں دیتی۔ آج آپ یہ کہہ رہی ہیں، کل جب شیطان آپ کے ذہن میں شیطانی خیال ڈالے گا تو پھر ان کے جواب بھی جانے شروع ہو جائیں گے۔ تو شریعت نے کہا کہ اپنے نفس پر اعتماد مت کرو۔

اگر حرام چیزیں ہیں تو ان کو ضائع کر دے۔ مثال کے طور پر: ایسے فوٹو البم بنائے کہ لباس پورا نہیں یا غیر محرموں کے ساتھ کھینچے گئے، تو ایسی تمام تصویروں کو تلف کر دینا ضروری ہے۔ شریعت نے کہا کہ اگر کوئی آدمی شراب پیتا تھا اور اس نے شراب سے توبہ کر لی، اب وہ کہتا ہے کہ جی جن گلاسوں میں میں شراب پیتا تھا اب ان میں پانی پی لیا کروں، تو شریعت کہتی ہے کہ ہرگز نہیں! تم ان گلاسوں کو بھی توڑ دو۔ وجہ یہ ہے کہ جب ان گلاسوں میں تم پانی یا کوئی جوس پیو گے تو جوس پیتے ہوئے تمہیں شراب یاد آئے گی۔ تو گناہ کی یاد دلانے والی چیزوں کو بھی ختم کر دو۔

چوتھا کام......طاعت کو اختیار کرے:

چوتھا کام یہ کرے کہ اب نیکیاں زیادہ کرے۔ حرام مال سے جو بدن

پرورش پایا اس کو اللہ کے راستے میں نیکی میں صرف کرے، نیک لوگوں کو دوست بنائے۔ یہ جو نیکیاں ہیں، یہ کیے ہوئے گناہوں کا کفارہ بن جائیں گی، کیونکہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ (ھود: ۱۱۴)

''بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹانے والی ہیں''

پانچواں کام......تائبین کے واقعات کا مطالعہ کرے:

جو توبہ کرنے والا بندہ ہو، اس کو چاہیے کہ جن لوگوں نے پہلے توبہ کی اور حدیث پاک میں ان کا تذکرہ ہے یا کتابوں میں ان کے واقعات ہیں، ان کے واقعات کو پڑھے کہ وہ کیسے سچی توبہ کرنے والے لوگ تھے۔

ایک صحابیہ کی سچی توبہ کا واقعہ:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک عورت آئی، اور عرض کیا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھ سے بڑا گناہ ہو گیا۔ نبی علیہ السلام نے چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ وہ ادھر سے آئی اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھ سے بڑا گناہ ہو گیا، نبی علیہ السلام نے چہرہ تیسری طرف کر لیا۔ اس نے ادھر سے آ کر یہی کہا، نبی علیہ السلام نے چہرہ چوتھی طرف کر لیا۔ اس نے چوتھی مرتبہ پھر یہی کہا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھ سے زنا سرزد ہو گیا آپ مجھے پاک کر دیجیے۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے تجھے وہم ہو گیا ہو۔ اس نے کہا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہم کی بات نہیں۔ میں Pragnant (حاملہ) ہوں اور آپ کے پاس آئی ہوں کہ مجھے پاک کر دیجیے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: اچھا تم جاؤ اور جب تمہارے ہاں بچے

کی ولادت ہو جائے تو پھر تم میرے پاس واپس آنا۔ وہ صحابیہ رضی اللہ عنہا واپس چلی جاتی ہے۔ اسے راتوں کو نیند نہیں آتی، سکون نہیں تھا۔ وہ سوچتی تھی کہ اگر اسی حال میں مرگئی تو میں اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ چنانچہ جب بچے کی ولادت ہوتی ہے تو وہ ایک دن بچے کو لے کر آئی، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بچے کی ولادت ہو گئی۔ اب آپ مجھے پاک کر دیجیے۔

اب بتائیں کہ نو مہینے کا وقت تھا، اگر وہ چاہتی تو اپنی بات سے پھر بھی سکتی تھی، اگر وہ چاہتی تو کسی دوسرے شہر میں ہجرت کر جاتی، اگر وہ چاہتی تو کوئی اور بہانہ کر لیتی مگر نہیں، اس کے دل میں ایک آگ لگی ہوئی تھی۔ اس کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ جو کام میں نے کیا وہ بہت برا ہے، اور میں اپنے اللہ کے سامنے قیامت کے دن شرمندہ نہیں ہونا چاہتی۔ اس کو یہ پتہ چل گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ زنا کار سے ناراض ہوتے ہیں اور زنا کار آدمی جب تک سچی توبہ نہ کرے، وہ پاک نہیں ہوتا۔ وہ ڈرتی تھی کہ ایسا نہ ہو کہ میں قیامت کے دن اپنے اللہ کے سامنے ناپاک حالت میں پیش کی جاؤں۔

زنا کی سزا:

وہ صحابیہ رضی اللہ عنہا جانتی تھی کہ قیامت کے دن جب زنا کار عورت اللہ کے سامنے پیش ہو گی تو حدیثِ پاک کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے چہرۂ انور کو ہٹا لیں گے، اس کی طرف نہیں دیکھیں گے۔ تو یہ کتنی بڑی سزا ہو گی کہ اللہ تعالیٰ عورت کو اس لیے نہ دیکھیں کہ تم تو اپنا چہرہ غیر محرم کو دکھاتی تھی۔

اور یہ بھی ہے کہ زنا کار عورت جب اللہ کے سامنے پیش کی جائے گی تو ایک ہوا کا جھونکا آئے گا اور ساری مخلوق کے سامنے اس کے جسم پر جو کپڑے ہوں

گے، اتر جائیں گے۔ اتنی ذلت اس لیے ملے گی کہ یہ غیر محرم کے سامنے اپنے کپڑے اتارتی تھی۔

پھر ایک اور بات جو حدیث پاک میں فرمائی گئی کہ اس عورت کو جب جہنم کے اندر پھینکا جائے گا تو جس طرح آپ نے ہوٹلوں کے اندر دیکھا کہ چکن پیس روسٹ ہو رہے ہوتے ہیں، کسی تار کے اندر پروئے ہوئے لٹکے ہوتے ہیں۔ اسی طرح جہنم کے اندر عورت کو پستانوں کے ذریعے لٹکایا جائے گا۔ یہ جسم کا وہ حصہ ہے کہ اس پر سختی سے ذرا ہاتھ لگ جائے تو تکلیف ہوتی ہے اور اگر اس کے اندر لوہے کی تار ڈال کر لٹکایا جائے گا تو آپ سوچ سکتی ہیں کہ کتنی تکلیف ہوگی! جس طرح مرغا آگ کے اندر جل رہا ہوتا ہے، یہ عورت جہنم کی آگ کے اندر اس طرح جل رہی ہوگی۔ پھر اس کے منہ میں پیپ آرہی ہوگی، جو وہ پی رہی ہوگی۔

پھر اس کو ایک اور بھی سزا دی جائے گی۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ بچھوؤں کی ایک غار ہوگی، اس عورت کو اس کے اندر دھکا دے کر اس کے منہ پر چٹان رکھ دی جائے گی۔ اس میں لاکھوں بچھو ہوں گے اور وہ لاکھوں بچھو اس کے جسم پر اس طرح چڑھیں گے، جس طرح شہد کے چھتے پر شہد کی مکھیاں ہوتی ہیں۔ اتنے لاکھوں بچھو ایک وقت میں اس کو ڈسیں گے۔ اس کے جسم کے ہر ہر سیل کے اندر زہر جائے گا اور اسے اتنی تکلیف ہوگی کہ ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔ یہ سزا کیوں ملے گی؟ اس لیے کہ تو نے ایسا گناہ کیا تھا جس کی وجہ سے تیرے جسم کے انگ انگ نے مزے پائے تھے، اب انگ انگ کے اندر اس زہر کا اثر جائے گا۔ ایک شہد کی مکھی کاٹ لے تو اس کی تکلیف ہم سے برداشت نہیں ہوتی۔ جب یہ بچھو کاٹیں گے اور لاکھوں کی تعداد میں ایک وقت میں کاٹیں گے، پاؤں سے

لے کر سر تک ہر جگہ پر ڈنک لگیں گے، تو سوچیں! کتنی تکلیف ہوگی؟ ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

تو صحابیہ رضی اللہ عنہا جانتی تھی کہ یہ سب تکلیفیں مجھے جہنم میں دی جائیں گی۔ اس لیے مجھے دنیا میں پاک ہونا ہے۔ اس کو پتہ تھا کہ میں جب گناہ کا اقرار کروں گی تو مجھے رجم کیا جائے گا، مردوں کے مجمع کے اندر مجھے گڑھا کھود کر آدھا زمین کے اندر دھنسا دیا جائے گا۔ اور اوپر کے آدھے جسم پر مجھے پتھر مارے جائیں گے۔ کوئی پتھر میرے سر پر لگے گا، کوئی منہ پر لگے گا، کوئی آنکھ پر، کوئی کان پر، جسم سے خون نکلے گا، قبیلے کی ذلت ہوگی، ماں باپ کی ذلت ہوگی اور مجھے اتنی دردناک موت دی جائے گی، مگر وہ جانتی تھی کہ یہ دنیا کی ذلت چھوٹی ہے، یہ دنیا کی تکلیف بھی چھوٹی ہے، قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے بے پردہ ہونا زیادہ برا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ناراض ہو جانا زیادہ بڑی سزا ہے۔ لہٰذا وہ کہنے لگی: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے پاک کر دیجیے۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ! اس بچے کو دودھ پلاؤ۔

سوچیے تو سہی! اتنی مدت میں وہ عورت اپنی بات سے منحرف نہیں ہوئی، اس کی وجہ کیا تھی؟ اس کو یہ یقین تھا کہ اس گناہ کی وجہ سے آخرت کی ذلت بہت بڑی، دنیا کی ذلت چھوٹی ہے۔ وہ پھر ایک ڈیڑھ سال بچے کو پالتی ہے، پھر بچے کو لے کر آئی اس بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ کہنے لگی: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اب بچے نے روٹی کھانا شروع کر دی۔ میں اپنی اس ذمہ داری سے فارغ ہوگئی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ سے فرمایا: اس عورت کو رجم کر دیا جائے۔ چنانچہ لوگ جمع ہو گئے، عورت کو پتھر مارنے لگے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ

ایک صحابی نے جب اسے پتھر مارا تو انہوں نے کوئی فقرہ کہہ دیا کہ تو نے کتنا برا کام کیا، کتنی گندی عورت ہے! تو نبی علیہ السلام نے اس صحابی کو منع کر کے یہ کہا: میرے صحابی اس عورت کو یہ بات مت کرو

لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهُ

''اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر یہ توبہ لوگوں سے ناحق مال غصب کرنے والا کرتا تو اس کی بخشش کردی جاتی''(صحیح مسلم : ۳/ ۱۳۲۳ باب من اعترف علی نفسہ بزنی)

وہ کیسی صحابیہ تھیں کہ توبہ کرنے کا حق ادا کر دیا۔ تو معلوم ہوا کہ ایسے واقعات پڑھنا جس میں توبہ کرنے والوں نے سچی توبہ کی، اس سے انسان کی ہمت بڑھتی ہے۔

توبہ کے متعلق بعض اشکالات

علمانے لکھا ہے کہ جب آدمی توبہ کرتا ہے تو اس کے ذہن میں شیطان مختلف اشکالات ڈالتا ہے۔

اشکال ①:

کبیرہ گناہ بہت سے کثرت سے ہوئے، کیسے معاف ہوں گے؟

پہلا سوال تو ذہن میں یہی ڈالتا ہے کہ میں نے اتنے بڑے بڑے گناہ کیے، میں نے اتنے زیادہ گناہ کیے، میرے یہ گناہ کیسے معاف ہوں گے؟ سنیے! اللہ رب العزت کی رحمت بہت بڑی ہے۔ فرمایا: میرے بندے! اگر تیرے

گناہ آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں، اگر تیرے گناہ ساری دنیا کی ریت کے ذرات کے برابر ہیں، اگر تیرے گناہ ساری دنیا کے درختوں کے پتوں کے برابر ہیں، اگر تیرے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہیں۔ میرے بندے! تیرے گناہ تھوڑے ہیں، میری رحمت زیادہ ہے۔ تو توبہ کرے گا میں تیری توبہ کو قبول کرلوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾ (الزمر: ۵۳)

''اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، اللہ سب گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔''

تو رب کریم نے گناہوں کو معاف کرنے کی خوشخبری سنادی، سبحان اللہ!

سو بندوں کے قاتل کی توبہ:

بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک بندے نے سو آدمیوں کو قتل کیا، اس کو ندامت ہوئی، اس نے چاہا کہ میں توبہ کروں، چنانچہ وہ علما کی بستی کی طرف چل پڑا، راستے میں اس کو موت آگئی۔ جہنم کے فرشتے بھی آگئے اور جنت کے فرشتے بھی آگئے۔ جہنم کے فرشتے کہنے لگے: یہ سو بندوں کا قاتل ہے، اسے جہنم میں لے کر جانا ہے۔ جنت والے فرشتے کہنے لگے: چونکہ یہ توبہ کی نیت سے چل پڑا تھا، اب اسے جنت میں لے جانا چاہیے، حتی کہ دونوں نے اپنا اپنا معاملہ اللہ کے سامنے پیش کیا۔ ربِ کریم نے فرمایا کہ تم اس کے راستے کی پیمائش کرو، اگر یہ اپنے گھر سے قریب تھا اور اگلی بستی دور تھی تو جہنم میں لے جاؤ۔ اور اگر توبہ والی بستی کے قریب تھا اور گھر سے دور تھا تو جنت میں لے جاؤ۔ حدیث پاک میں آتا

ہے کہ فرشتوں نے پیمائش کی تو جہاں بالکل راستے کا نصف تھا اس جگہ پر اس بندے کو موت آئی تھی، مگر اس کی لاش اگلی بستی کی طرف گری تھی۔ صرف اتنا قریب ہونے پر اللہ نے اس کے سب گناہوں کو معاف کر دیا کہ یہ توبہ کی نیت سے چل پڑا تھا۔

اشکال ۲

گناہوں کے ماحول میں بندہ پھنسا ہوا ہو تو توبہ کیسے کرے؟

ایک اور اشکال بندے کے ذہن میں یہ آتا ہے کہ میں تو توبہ کرنا چاہتی ہوں، مگر لوگ مجھے زبردستی گناہ کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں، بدکردار مجھ پر چڑھائی کر لیتے ہیں، میں کمزور ہوں۔ بات یہ ہے کہ جب انسان گناہ نہ کرنا چاہے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس بارے میں دو واقعات سن لیجیے!

حضرت مرثد رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

حضرت مرثد رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں مکہ کی ایک عورت کے ساتھ ان کے غلط تعلقات تھے۔ وہ عورت کوئی بہت خوبصورت چیز تھی۔ جب انہوں نے توبہ کر لی تو مدینہ طیبہ آ گئے۔ مدینہ طیبہ میں آپ نے کلمہ پڑھ لیا اور زندگی گزارنے لگے۔ ایک مرتبہ کاروبار کے لیے ان کو مکہ مکرمہ واپس آنا تھا، مغرب کے بعد کا وقت تھا مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، گلی میں سے گزر رہے تھے کہ اچانک اس عورت پر نظر پڑ گئی۔ اس نے ان کو کہا: کہاں غائب ہو گئے؟ I miss you. , I love you. جو گانے گاتی تھی، اس نے وہی گانے گانے شروع کر دیے۔ اور کہا کہ اتنا عرصہ ہو گیا ملاقات بھی نہ ہوئی، آج میرا خاوند بھی

گھر پر نہیں، تم کام سمیٹ کر آ جانا، میں تمہارا انتظار کروں گی۔ اس صحابی نے کہا کہ میں نہیں آؤنگا۔ اس نے کہا کہ تم وہی ہو جو مکہ کی گلیوں میں پھرتے تھے، آنکھوں میں آنسو ہوتے تھے، میری منتیں کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ تمہیں چہرہ دکھا دوں، میں ایک دفعہ تم سے بات کرلوں۔ تم میرے جسم کو ہاتھ لگانے کے لیے ترستے پھرتے تھے۔ آج میں تمہیں کہہ رہی ہوں کہ تم آنا میں گھر میں تمہارا انتظار کروں گی، تم کہتے ہو کہ میں نہیں آؤنگا۔ اس دوران اس عورت نے یہ محسوس کیا کہ وہ صحابی بات کر رہے تھے، مگر آنکھ نہیں اٹھ رہی تھی، آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ کہنے لگی: تم میری طرف دیکھ کیوں نہیں رہے؟ انہوں نے کہا: میں تمہاری طرف اب نہیں دیکھ سکتا، میری آنکھوں نے اب ایسی ہستی کو دیکھ لیا ہے جس کے بعد یہ غیر کی شکل کو دیکھنا گوارا نہیں کرتیں۔ پہلے سے چونکہ طبیعت کھلی ہوئی تھی، دونوں آپس میں ملتے رہتے تھے، وہ آگے بڑھی کہ ہاتھ لگائے، وہ کہنے لگے: خبردار! تم نے میرے جسم کو ہاتھ لگایا۔ میں تلوار سے تمہارے سر کو جدا کر دوں گا۔ وہ گھبرا گئی کہ یہ تو اس نے بہت زیادہ سخت بات کر دی، وہ واپس چلی گئی۔ جو گناہوں سے بچنے والے ہوتے ہیں، وہ پھر اتنا اسٹینڈ لے لیتے ہیں کہ دوسرا بندہ پھر ان کو گناہوں کی طرف مجبور نہیں کر سکتا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

ایک اور واقعہ سنیے! ایک صحابی تھے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ۔ ایک دفعہ ان کو جہاد میں جانے میں دیر ہو گئی۔ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا کہ آپ انتظار کریں جب تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول نہ کر لیں۔ صحابہ کو بھی منع فرما دیا کہ آپ ان سے گفتگو بند کر دیں، جب تک ان کی توبہ قبول نہیں

ہوتی۔ کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے لیے پوری زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہوگئی۔ اس لیے کہ مجھے ڈر تھا کہ اس دوران اگر مجھے موت آگئی تو میری موت ایمان پر نہیں آئے گی کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے ناراض ہیں۔ اور اس دوران اگر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پردہ فرمالیا تو میرا کیا بنے گا؟ مجھے کسی پل چین نہیں تھا، آرام نہیں تھا۔ میرا دن نہیں گزرتا تھا، میری رات نہیں گزرتی تھی۔

کہتے ہیں: اسی حال میں مجھے چالیس دن گزر گئے۔ میں بہت Depressed Condition (بے چینی) میں گزارا کر رہا تھا۔ گھر سے باہر نکلا تو مجھے ایک آدمی ملا، کہنے لگا: غسان کے بادشاہ نے ایک رقعہ بھیجا ہے۔ میں نے رقعہ پڑھا، عیسائی بادشاہ نے لکھا تھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کے صاحب نے آپ سے بول چال بند کردی، آپ ہمارے پاس آجایئے، ہم آپ کی عزت افزائی کریں گے، ہم آپ کو یہاں بہت سہولت کی زندگی گزارنے کا موقع دیں گے۔ وہ صحابی کہنے لگے: میں نے یہ رقعہ پڑھا میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں نے یہ کہا کہ ایک تو میرے اوپر آزمائش آئی ہے اور دوسرا میں اتنا گر گیا ہوں کہ اب کافر لوگ مجھ پر طمع کرنے لگے کہ میں ان کے ساتھ جا کر مل جاؤں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس قاصد کے سامنے اس کاغذ کے کئی پرزے کیے، تندور جل رہا تھا، میں نے آگ کے اندر وہ خط پھینک دیا، اور اسے میسج پہنچا دیا کہ خبردار! میرے بارے میں یہ مت سوچنا۔ دیکھیں! جو توبہ کرنے والے ہوتے ہیں، وہ پھر ایسا معاملہ کرتے ہیں، پھر اللہ ان کی توبہ کو قبول بھی فرمالیتے ہیں۔ (جامع الاصول: ۲/۱۷۱)

اشکال ③

توبہ تو کر لی، لیکن گناہوں کی یادیں جان نہیں چھوڑتیں:

کبھی کبھی دل میں یہ خیال آتا ہے کہ میں توبہ تو کرنا چاہتی ہوں، مگر پرانی یادیں عذاب بن چکی ہیں، ہر وقت ذہن میں پرانے خیالات آتے ہیں۔

ایسا ہوتا تو ہے، مگر اس سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنی چاہییں، اللہ رب العزت اس بات پر قادر ہیں کہ وہ ہماری ان یادوں کو ذہن سے ختم کر دیں۔ اور دل کے اندر اللہ کی یاد کو جما دیں۔ اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں۔ دعائیں کرنی چاہییں:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ

اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا

ان دعاؤں کے مانگنے سے اللہ تعالیٰ ذہنی یادوں کو ٹھیک کر دیتے ہیں۔

اشکال ④:

کیا اعترافِ گناہ ضروری ہے؟

کبھی کبھی شیطان ذہن میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ کیا گناہوں کا اعتراف کرنا ضروری ہے؟

جی ہاں! اللہ تعالیٰ کے سامنے گناہوں کا اعتراف کرنا ضروری ہے۔ دنیا میں اعتراف کر لیں تو معافی مل جائے گی، وگرنہ جہنم میں جا کر تو ہر گناہ گار اعتراف کرے گا۔ قرآن مجید میں سورۂ ملک میں ہے کہ جہنمیوں سے فرشتے پوچھیں گے:

﴿اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَذِیْرٌ﴾
''کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟''
وہ کہیں گے:
﴿بَلٰی قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ﴾
''ہاں! ہمارے پاس ڈرانے والا تو آیا تھا۔''
﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ﴾
''کاش ہم سنتے یا ہمارے پاس کوئی عقل کی رتی ہوتی تو آج ہم جہنم میں جلنے والوں میں سے نہ ہوتے۔''
﴿فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ﴾
اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے۔
معلوم ہوا کہ انسان کو گناہوں کا اعتراف تو کرنا ہی پڑے گا۔ دنیا میں کرلے گا تو توبہ کی وجہ سے گناہ دھل جائیں گے، ورنہ جہنم میں جا کر تو ہر بندہ گناہوں کا اعتراف کرے گا ہی سہی۔ اسی لیے حدیث پاک میں دعا سکھائی:

((اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِيْ)) (الجامع الصغیر للسیوطی: ۱/۴۸۰)
''اللہ! میں نعمتوں کا اعتراف کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں۔''

اشکال ⑤

گناہوں سے بچ ہی نہیں پاتے تو توبہ کیسے کریں؟

کبھی شیطان دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ توبہ تو میں کرتی ہوں، مگر میں گناہ

سے بچ نہیں سکتی، میرا نفس بہت خراب ہے۔ بھئی! میں نہیں بچ سکتی، میرا اللہ تو مجھے بچا سکتا ہے۔ آپ توبہ کرتے ہوئے اللہ کی ذات پر نظر رکھیے۔ اللہ مہربانی فرما کر انسان کے دل میں گناہ کی نفرت ڈال دیتے ہیں، انسان کی طبیعت گناہ سے اچاٹ کر دیتے ہیں، انسان کو گناہوں سے محفوظ فرما لیتے ہیں۔

اور ایک اس کا بہترین طریقہ کہ آپ اگر کمزور ہیں تو کسی اللہ والے کے ساتھ مل کر آپ گناہوں سے سچی توبہ کے کلمات پڑھ لیں۔ یہ توبہ کے کلمات کسی اللہ والے کے ساتھ مل کر پڑھنے کی ایک برکت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول فرماتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہیں:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ﴾ (ھود:۱۱۲)

''اے میرے حبیب ﷺ! آپ بالکل سیدھے رہیے، جیسے آپ کو حکم دیا، اور وہ بھی جو آپ کے ساتھ مل کر توبہ تائب ہوئے۔''

صحابہ بھی نبی علیہ السلام کے ہاتھ پر توبہ کیا کرتے تھے۔ اس لیے جو بندہ اپنے آپ کو کمزور محسوس کرے، وہ اللہ والوں کے ساتھ توبہ کے کلمات پڑھ لے، اللہ تعالیٰ مہربانی فرما دیتے ہیں۔

بیعت کی برکت سے دہریے کی توبہ:

ہمارے حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے۔ ایک گھر میں گئے، وہ بڑے علما کا گھر تھا۔ وہ عالم خود یہ واقعہ سناتے ہیں، کہتے ہیں کہ میرے آٹھ کے قریب بچے تھے۔ پانچ بیٹے تھے، تین بیٹیاں تھیں۔ سب عالم، حافظ، قاری مفتی تھے، سب نیک تھے۔ ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' گھر کا ہر بندہ ایک روشن ستارے کے مانند تھا، مگر کہتے ہیں کہ میرا ایک بیٹا ایسا تھا جو تعلیم حاصل کرنے کے لیے

فرانس چلا گیا تھا۔ وہاں جا کر وہ دہریہ بن گیا، دین کو مانتا تھا، نہ خدا کو مانتا تھا۔ اب ہم میاں بیوی راتوں کو روتے رہتے تھے کہ یہ صرف بے نمازی ہی نہیں، یہ سرے سے کافر ہے، خدا کو بھی نہیں مانتا۔ ایک دن بیوی یہ کہنے لگی: ہم کب تک حضرت سے یہ بات چھپائیں گے۔ دیکھیں! ران کے اوپر بھی اگر پھوڑا بن جائے تو ڈاکٹر کے سامنے پھر ران کو کھولنا پڑتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی ایسی بات ہو جو پوشیدہ ہو تو شیخ کے سامنے اس کو بتانا پڑتا ہے، تاکہ اس کا علاج ہو سکے۔ تو بیوی کے کہنے پر میں نے ایک دن حضرت سے کہا کہ حضرت! آپ ہمارے گھر کے سب لوگوں سے اتنے خوش ہیں، اتنی تعریف کرتے ہیں کہ سب بچے نیک، متقی، پرہیزگار ہیں۔ ایک اور بھی میرا بیٹا ہے، آج تک آپ کے سامنے نہیں آیا، وہ دہریہ ہے، وہ پڑھنے کے لیے فرانس چلا گیا تھا، دہریہ بن کر واپس آیا۔ ہم اپنے دل کا یہ غم کسی کو بتا بھی نہیں سکتے۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا! اپنے اس بچے سے کہو کہ میرے ساتھ مل کر کچھ کلمات پڑھ لے۔ چنانچہ انہوں نے اور ان کی اہلیہ نے مل کر اس بچے کو سمجھایا کہ بیٹا! حضرت کے ساتھ مل کر کچھ کلمات پڑھ لو۔ بیٹے نے کہا: میں اسلام کو نہیں مانتا، میں خدا کو نہیں مانتا، میں کیا کلمات پڑھ لوں؟ حضرت نے فرمایا کہ میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا کہ کیا مانو اور کیا نہ مانو؟ میں نے اتنا ہی کہا ہے کہ میرے ساتھ مل کر توبہ کے کلمات پڑھ لو۔ جب ماں باپ نے خوب مجبور کیا تو وہ کہنے لگا: اچھا! میں آپ لوگوں کی خاطر یہ بات کر لیتا ہوں، مگر میں دین کو اور خدا کو نہیں مانتا۔ اتنا کہنے کے باوجود اس نے ہمارے حضرت کے ساتھ مل کر توبہ کے کلمات پڑھ لیے۔

اللہ والوں کے ساتھ مل کر توبہ کے کلمات پڑھنے میں بھی کچھ تاثیر ہوتی ہے،

اللہ نے دل بدلنا شروع کر دیا۔ کرتے کرتے ایک سال کے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا، پھر اس کے بعد وہ نیک بنا، علم حاصل کیا۔ اللہ کی شان کہ وہ بیعت ہوا اور پانچ چھ سال کے بعد حضرت نے اس کو خلافت عطا کی، الحمدللہ! ہزاروں لوگ اس نوجوان کی وجہ سے نیکی کے اوپر آ گئے۔ ذرا غور کیجیے کہ کہاں وہ بچہ ایمان سے محروم تھا اور کہاں اللہ والوں کے ساتھ مل کر توبہ کے کلمات پڑھ لیے، اللہ نے اس کو ہادی اور مہدی بنا دیا۔ اس کو دوسروں کو ہدایت دینے والا بنا دیا، یہ اللہ کی رحمت اور مہربانی ہوتی ہے۔

اشکال ⑥

اللہ بخشنے والا ہے، توبہ کی کیا ضرورت؟

کبھی کبھی ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ اچھا! اگر میں نے بہت گناہ کیے ہیں، اللہ غفور رحیم ہے، وہ مجھے بخش دے گا۔ بات بالکل ٹھیک ہے، اللہ بخش دیں گے، لیکن اگر موت کے وقت ہمیں کلمہ پڑھنے کی توفیق ہی نہ ہوئی، پھر کیا بنے گا؟ کیونکہ گناہوں کی ایک بڑی تاثیر یہ بھی ہے کہ موت کے وقت کلمہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔

ہمارے ایک قریبی دوست ڈاکٹر تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے زندگی کے پینتیس سال ایمرجنسی وارڈ کے اندر گزارے۔ میری عادت تھی کہ جس بندے کا بھی آخری وقت ہوتا، آخری لمحوں میں اسے کلمہ یاد دلاتا تھا۔ فرماتے ہیں کہ میرا تجربہ یہ ہے کہ سو میں سے پانچ ایسے ہوتے تھے جو اونچی آواز سے کلمہ پڑھتے تھے اور باقی کو کلمہ پڑھنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی تھی۔ علما نے یہ لکھا ہے کہ جو کبیرہ

گناہ کرنے والے لوگ ہوتے ہیں، اگر زندگی میں توبہ نہ کریں تو موت کے قریب زبان پر فالج پڑ جاتا ہے۔ اس وقت کلمہ پڑھنا بھی چاہے، زبان حرکت نہیں کرتی۔ اللہ اکبر! اس وقت سے پہلے پہلے ہمیں چاہیے کہ ہم گناہ سے سچی توبہ کر لیں۔

توبہ کے متعلق چند سوالات

جب انسان توبہ کے لیے تیار ہو جائے اس کے ذہن میں کچھ سوال ہوتے ہیں۔ آیئے! ان سوالوں کے جوابات بھی سن لیجیے۔

سوال ①

کیا گناہ سرزد ہونے سے پہلی توبہ ٹوٹ جاتی ہے؟

ایک سوال ذہن میں یہ آتا ہے کہ میں نے توبہ کی پھر اس کے بعد پھر گناہ سرزد ہو گیا تو گناہ کے سرزد ہونے سے پہلی توبہ ٹوٹ گئی؟ اس کا جواب سن لیجیے! گناہ سے توبہ کی، اللہ نے گناہوں کو معاف کر دیا، اب اگر کچھ عرصے کے بعد پھر گناہ ہو گیا، پہلی توبہ ٹوٹتی نہیں، بلکہ اب دوبارہ پھر توبہ کرنی ضروری ہوتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیے: آپ کے سیل فون میں میسجز تھے، آپ نے ان کو ڈیلیٹ کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد نیا میسج آ گیا، نئے میسج کے آنے سے پرانے میسج کہیں واپس تو نہیں آ جاتے، وہ تو ڈیلیٹ ہو چکے۔ اسی طرح توبہ سے پہلے گناہ معاف ہو چکے، اگر دوبارہ گناہ سرزد ہو گیا تو اس گناہ سے نئے سرے سے دوبارہ توبہ کرنی چاہیے۔

سوال ۲

کیا ایک گناہ کے ہوتے ہوئے دوسرے گناہ سے توبہ کی جا سکتی ہے؟

ایک بات ذہن میں یہ آتی ہے کہ کیا میں ایک گناہ کو کرتے ہوئے دوسرے گناہ سے توبہ کر سکتی ہوں؟ مثال کے طور پر: میں پردہ بھی نہیں کرتی اور میرا کسی غیر محرم مرد کے ساتھ تعلق بھی تھا، اب میں غیر محرم مرد کے ساتھ تعلق والے گناہ سے توبہ کرنا چاہتی ہوں تو کیا میری وہ توبہ قبول ہو جائے گی؟۔ جی ہاں! ایک گناہ کے ہوتے ہوئے دوسرے گناہ سے انسان توبہ کرے تو دوسرے گناہ سے انسان کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ پہلے گناہ سے توبہ کی بھی توفیق عطا فرما دے۔ اسی طرح ایک بے نمازی عورت ہے، وہ پردہ بھی نہیں کرتی۔ وہ کہتی ہے کہ میں پردہ تو ابھی نہیں کر سکتی، لیکن میں نماز پڑھنا شروع کر دیتی ہوں۔ بہت اچھا! آپ نماز شروع کر دیجیے، نماز کی برکت سے اللہ پردے کی بھی توفیق عطا فرما دیں گے۔ تو معلوم ہوا کہ ایک گناہ کے ہوتے ہوئے انسان اگر دوسرے گناہ سے توبہ کرے تو وہ اللہ کے ہاں قبول ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی برکت سے اللہ پہلے گناہ سے توبہ کی بھی توفیق دے دیتے ہیں۔

سوال ۳

بہت ساری نمازیں اور روزے قضا ہو چکے، توبہ کیسے کریں؟

ایک سوال ذہن میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ میرے ذمے بہت ساری قضا نمازیں ہیں، قضا روزے ہیں، میں کیا کروں؟ مجھے تو زندگی کے پندرہ سال ہو گئے، میں نے نماز نہیں پڑھی۔ تو بھئی! اگر پچھلی قضا نمازیں باقی ہیں تو روزانہ

پانچ نمازیں پڑھنی شروع کر دیجیے۔ ہر دن میں اپنی جو روزانہ کی نمازیں ہیں، وہ بھی پڑھیں اور ایک ایک نماز قضا بھی کریں۔ فجر کے دو فرض، ظہر کے چار فرض، عصر کے چار فرض، مغرب کے تین فرض، عشا کے چار فرض اور تین وتر...... یہ کل سترہ رکعتیں بنتی ہیں۔ آپ چاہیں تو ایک ہی وقت میں یہ سترہ رکعتیں پڑھ لیں اور چاہیں تو ہر نماز کے بعد ان کے فرض جو قضا ہوئے ان کو ادا کر لیں۔ روزانہ اگر آپ ایک دن کی قضا نماز پڑھتی رہیں تو پندرہ سال میں پندرہ سال کی قضا نماز بھی ادا ہو جائے گی۔

ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ بیس بیس سال کی قضا نمازیں ادا کیں، کئی کئی سال کے انہوں نے روزے رکھے۔ اسی طرح سردی کے موسم میں روزے رکھنے شروع کر دیں، اللہ تعالیٰ آسانی فرما دیتے ہیں۔ تو قضا نمازیں اور قضا روزے رکھنا شروع کر دیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے پاس قسط پہنچنی شروع ہو جائے۔ اگر اس دوران بھی موت آ گئی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میرے بندے نے قرضہ تو ادا کرنا شروع کر دیا تھا، چلو بقیہ میں اس کو اپنی رحمت سے معاف کر دیتا ہوں۔

سوال ④

دوسروں کی غیبتیں بہت کیں، توبہ کیسے کریں؟

ایک سوال ذہن میں یہ آتا ہے کہ میں نے تو مختلف عورتوں کی بہت غیبت کی تو اب ان سے توبہ کیسے کروں؟ تو بھئی! یہ غیبت جو ہے یہ حقوق العباد میں سے ہے، بہتر تو یہ ہے کہ جس بندے کی غیبت کی اس بندے سے معافی مانگی جائے۔ اس کو بتایا جائے کہ اگر آپ کے حقوق میں مجھ سے کوئی کمی ہو گئی تو مجھے معاف کر

دیں۔ یہ مت کہیں کہ میں نے آپ کے بارے میں یہ یہ کہا، ورنہ تو دشمنی ہو جائے گی۔ ایک جنرل بات کر دیں کہ جی مجھ سے آپ کے بارے میں کوئی کوتاہی ہوگئی ہو تو معاف کر دیں۔ شریعت کہتی ہے کہ اس نے معاف کر دیا تو بھی معاف......سن کر مسکرا پڑی تو بھی معاف......خاموشی کر لی تو بھی معاف ہو جائے گی۔ دنیا میں معافی مانگنی بہت آسان ہے۔

سوال ⑤

اگر قتل ہو گیا ہو تو کیا اس کی بھی توبہ ہو سکتی ہے؟

اور اگر کوئی بندہ یہ کہے کہ میں نے تو کسی بندے کو قتل کیا، میں کیا کروں؟ شریعت نے کہا کہ ایک تو اللہ سے معافی مانگے جس کے حکم کو توڑا گیا، دوسرا جو اس کے وارث ہیں ان کو قصاص ادا کرے، دیت ادا کرے اور تیسرا جس کو قتل کیا اس بندے کی طرف سے استغفار کرے۔ تین کاموں کے کرنے پر اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔

سوال ⑥

کسی کا مال چرایا ہو تو اس کی توبہ کیسے؟

اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے تو کسی کا مال چوری کیا تھا، میں توبہ کیسے کروں؟ اس مال کو واپس کرنا ہوگا، اگر وہ بندہ فوت ہو گیا تو اس کے ورثا کو کر دیں۔ اگر یہ پتہ بھی نہیں تو اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیں، نیت کریں کہ اس کا جو ثواب قیامت کے دن ملے گا، اس حق والے کو اللہ وہ ثواب عطا فرما دیں۔ تو اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہوگی۔

یہ مختلف سوالات تھے جو ذہن میں آتے ہیں۔

توبہ کا طریقہ:

اب توبہ کا طریقہ بھی سن لیجیے! سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((مَا مِنْ عَبْدٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا فَيَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ))

''جو بندہ بھی کوئی گناہ کرتا ہے پھر وہ کھڑا ہوتا ہے اور وضو کرتا ہے اور دو رکعتیں نماز پڑھتا ہے''

((ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِذٰلِكَ الذَّنْبِ إِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ)) (کنزالعمال: ۱۰۲۷۸)

''پھر وہ استغفار کرتا ہے، اللہ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔''

توہمیں بھی اپنے تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے توبہ کے لیے دو رکعت صلاۃ التوبہ پڑھنی چاہیے۔ عشاء کے بعد بھی پڑھ سکتی ہیں، تہجد کے وقت بھی پڑھ سکتی ہیں، دن کے اوقات میں بھی پڑھ سکتی ہیں۔ جب گناہوں سے توبہ کرنے کی نیت ہو، وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھیں اور اللہ سے دعا مانگیں: ''اللہ! میں گناہگار بندی آج گناہوں کو چھوڑنے کا ارادہ کر رہی ہوں، میرے اوپر مہربانی فرما دینا، میری توبہ کو قبول کر لینا۔'' جب بندہ اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول فرما لیتے ہیں۔

اللہ کا در کبھی نہ چھوڑیں:

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، امید ہے کہ آپ اس کو دل کے

کانوں سے سنیں گی۔

فرماتے ہیں کہ میں ایک گلی میں جا رہا تھا، میں نے دیکھا کہ ایک ماں اپنے آٹھ نو سال کے بچے سے خفا ہو رہی تھی، کہہ رہی تھی: تو ضدی بن گیا ہے، نافرمان بن گیا ہے، تو میری بات نہیں سنتا، میری بات نہیں مانتا، اگر تو نے میری بات نہیں ماننی تو دفعہ ہو جا اس گھر سے۔ ماں نے غصے سے جو اس بچے کو دھکا دیا وہ بچہ گھر سے باہر آ کر گرا۔ ماں نے دروازہ بند کر دیا۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں وہیں کھڑا ہو گیا یہ دیکھنے کے لیے کہ ہوتا کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ وہ بچہ تھوڑی دیر تو روتا رہا، پھر وہ کھڑا ہوا اور ایک طرف اس نے چلنا شروع کر دیا، جب چلتے چلتے گلی کے کونے پر پہنچا تو پھر کھڑا ہو کر کچھ سوچنے لگا: پھر آہستہ قدموں سے واپس آ گیا۔ تھکا ہوا تھا، اس کو مار پڑی تھی، اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھ کر اس کو نیند آ گئی، وہ سو گیا۔

تھوڑی دیر بعد ماں نے کسی ضرورت کے تحت دروازہ کھولا، دیکھا کہ بچہ دہلیز کے اوپر سویا ہوا ہے۔ ابھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا، وہ پھر اسے مارنے لگی، کہنے لگی: تم جاتے کیوں نہیں یہاں سے؟ اگر تم نے میری بات نہیں ماننی تو چلے جاؤ یہاں سے۔ جب ماں نے اس کو دوبارہ ڈانٹ ڈپٹ کی تو وہ دوبارہ اٹھا، اسی آنکھوں میں آنسو تھے، کہنے لگا: امی! جب آپ نے مجھے گھر سے دھکا دیا تھا، میں نے دل میں سوچا تھا کہ میں چلا جاتا ہوں، میں کسی کا نوکر بن جاؤں گا، میں کسی کے جوتے صاف کر لوں گا، میں کسی کی مزدوری کر لوں گا، مجھے کچھ کھانے کو بھی مل جائے گا، رہنے کو بھی جگہ مل جائے گی۔ یہ سوچ کر میں یہاں سے چل پڑا تھا، مگر جب میں گلی کے کونے پر پہنچا، تو میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ مجھے کھانا بھی مل جائے گا، مجھے پہننے کو بھی مل جائے گا، رہنے کو بھی مل جائے گا، مگر جو

محبت امی سے ملنی ہے، وہ محبت مجھے دنیا میں کہیں نہیں ملے گی۔ امی! یہ سوچ کر میں واپس آ گیا۔ میں تو اسی دروازے پر بیٹھا ہوں، تو مجھ سے خفا ہو یا ناراض ہو، تو مجھے مارے یا ڈانٹے، امی! میں تمہارا بیٹا ہوں، میں تجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاتا۔ جب بچے نے یہ بات کی کہ میں تمہارا بیٹا ہوں، میں کہیں نہیں جاتا تو ماں کی ممتا جوش میں آ گئی، اس نے بچے کو اٹھایا، اپنے سینے سے لگا لیا۔ میرے بیٹے! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ جو محبت میں تمہیں دے سکتی ہوں، دنیا میں کوئی دوسرا نہیں دے سکتا، آؤ! میرے گھر کے دروازے کھلے ہیں، تم میرے گھر میں آ جاؤ۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ لکھنے کے بعد کہتے ہیں: جس طرح بچے نے ماں کا دروازہ نہیں چھوڑا، اگر کوئی گناہگار بندہ اللہ کے دروازے پر آ جائے اور یہ کہے:

اِلٰهِی عَبْدُكَ الْعَاصِی اَتَاكَ
مُقِرًّا بِالذُّنُوبِ وَ قَدْ دَعَاكَ
وَ اِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ لِذَاكَ اَهْلٌ
وَ اِنْ لَاتَغْفِرْ فَمَنْ يَّرْحَمْ سِوَاكَ

''تیرا گناہگار بندہ تیرے دروازے پر حاضر ہے، اللہ! اپنے گناہوں کا وہ اقرار کرتا ہے اور آپ کے دربار میں یہ اقرار کرتا ہے، اللہ اگر آپ معاف کر دیں تو آپ کو یہ بات سجتی ہے۔ اے اللہ! اگر آپ دھکا دے دیں تو آپ کے علاوہ کون ہے رحم کرنے والا۔''

انسان جب اس طرح اللہ سے معافی مانگتا ہے پھر اللہ تعالیٰ ایسے بندے کی توبہ کو قبول فرماتے ہیں، گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں۔

ایک نوجوان کی توبہ:

چنانچہ گناہوں سے توبہ کس کیفیت کے ساتھ کرنی چاہیے؟ اس بارے میں ایک واقعہ سن لیجیے، تاکہ بات مکمل ہو جائے۔

بنی اسرائیل کے ایک نوجوان کا یہ واقعہ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

كَانَ فِي زَمَنِ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ شَابٌّ عَاتٍ مُّسْرِفٌ عَلٰى نَفْسِهٖ

''موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک نوجوان تھا جو بڑا بدکار تھا، اپنی جان پر بڑا ظلم کرتا تھا۔''

بستی والوں نے اس سے توبہ کروائی اور کہا کہ اب اگر بدکاری کرو گے تو ہم بستی سے نکال دیں گے۔ کچھ عرصہ تو وہ توبہ پر قائم رہا، پھر وہ زنا کا مرتکب ہوا، بستی والوں نے اس کو خوب سزا دی۔ مار پیٹ کی اور مارنے پیٹنے کے بعد اس کو بستی سے دھکا دیا کہ تم یہاں رہنے کا قابل نہیں، ذلیل کر کے اس بستی سے اس نوجوان کو نکال دیا۔

فَاَخْرَجُوْهُ مِنْ بَيْنِهِمْ لِسُوْءِ فِعْلِهٖ

''انہوں اس کو بستی سے اس کے برے کاموں کی وجہ سے نکال دیا۔''

وہ نوجوان آگے شہر کے باہر ایک ویرانہ تھا، وہاں جا کر رہنے لگ گیا۔ سردی کا موسم تھا، اس کے پاس بستر بھی نہیں تھا، پورے کپڑے بھی نہ تھے، اس کو بخار آ گیا۔ دوا بھی پاس نہ تھی، کھانے پینے کو کوئی چیز بھی نہ تھی، چنانچہ اس حال میں اس نوجوان کو اس ویرانے میں موت آنے لگی۔ جب موت آنے لگی تو اس کے ساتھ عجیب معاملہ ہوا

فَحَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ فِي خَرِبَةٍ عَلَى بَابِ الْبَلَدِ

اسے شہر کے دروازے پر موت آ گئی۔

فَأَوْحَى اللهُ تَعَالَى إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی اور پیغمبر علیہ السلام کو یہ فرمایا:

إِنَّ وَلِيًّا مِّنْ أَوْلِيَائِي حَضَرَهُ الْمَوْتُ

میرے اولیا میں سے ایک ولی کو موت آ گئی ہے۔

فَاحْضُرْهُ وَغَسِّلْهُ وَصَلِّ عَلَيْهِ

آپ وہاں پر جائیے اور اس کو غسل دیجیے اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھیے۔

وَقُلْ لِمَنْ كَثُرَ عِصْيَانُهُ يَحْضُرُ جَنَازَتَهُ لِأَغْفِرَ لَهُمْ

اور اعلان کر دیجیے! جس بندے کے گناہ بہت زیادہ ہوں وہ آ کر اس کا جنازہ پڑھ لے، میں اس کے گناہوں کو بھی معاف کر دوں گا۔

وَاحْمِلْهُ إِلَيَّ لِأُكْرِمَ مَثْوَاهُ

اسے دفن کر دیجیے، تاکہ میں اپنے ولی کی عزت افزائی کروں۔

فَنَادَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ

موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے اندر اعلان کروا دیا:

لوگو! اللہ کے ایک ولی کی وفات ہوگئی جو جنازہ پڑھے گا اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

فَكَثُرَ النَّاسُ

لوگ بڑی تعداد میں وہاں اکٹھے ہو گئے۔

فَلَمَّا حَضَرُوْا عَرَفُوْهُ

جب لوگ آ گئے، اس بندے کو پہچان لیا۔

فَقَالُوْا: یَا نَبِیَّ اللهِ! هٰذَا هُوَ الْفَاسِقُ الَّذِیْ اَخْرَجْنَاهُ

اے اللہ کے نبی! یہ تو وہ فاسق ہے، جس کو ہم نے باہر نکال دیا تھا۔

فَتَعَجَّبَ مُوْسٰی مِنْ ذٰلِكَ

موسی علیہ السلام بڑے حیران ہو گئے۔

فَاَوْحَی اللهُ اِلَیْهِ

اللہ نے موسی علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی

صَدَقُوْا وَهُمْ شُهَدَائِیْ

یہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں: سچی بات کر رہے ہیں۔

اِلَّا اَنَّهٗ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ فِیْ هٰذِهِ الْخَرِبَةِ

بات یہ ہے کہ اس نوجوان کو جب اس ویرانے میں موت کا وقت آیا۔

نَظَرَ یُمْنَةً وَّیُسْرَةً فَلَمْ یَرَ حَمِیْمًا وَّلَا قَرِیْبًا

اس نوجوان نے دائیں نظر ڈالی بائیں نظر ڈالی۔کوئی اس کا دوست بھی پاس نہیں تھا اور کوئی رشتہ دار بھی نہیں تھا۔

اس نے کہا: اللہ! ویرانہ ہے، نہ میری ماں پاس ہے، نہ بیوی پاس ہے، کوئی اپنا نہیں جسے میں اپنا غم سنا سکوں۔ یا اللہ! اکیلا ہوں، تنہا ہوں۔

وَرَاٰی نَفْسَهٗ غَرِیْبَةً وَّحِیْدَةً ذَلِیْلَةً

اس نے اپنے آپ کو اکیلا اور ذلیل پایا۔

فَرَفَعَ بَصَرَهٗ اِلَیَّ

اب میرا یہ حال ہے، اس کسمپرسی کے حال میں اس نوجوان نے آسمان کی

طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا:

اِلٰهِیْ! عَبْدٌ مِّنْ عِبَادِكَ غَرِیْبٌ فِیْ بِلَادِكَ لَوْ عَلِمْتُ اَنَّ عَذَابِیْ یَزِیْدُ فِیْ مُلْكِكَ

یا اللہ! تیرے بندوں میں سے میں بھی ایک بندہ ہوں، مجھے میرے وطن سے دھکے دے کر نکال دیا گیا، اگر مجھے پتہ ہوتا کہ مجھے عذاب دینے سے تیری شان بڑھ جائے گی اور مجھے معاف کر دینے سے یہ گھٹ جائے گی تو میں آپ سے کبھی مغفرت طلب نہ کرتا۔

وَلَیْسَ لِیْ مَلْجَاٌ وَّلَا رَجَآءٌ اِلَّا اَنْتَ

اللہ! تیرے سوا میری کوئی جائے پناہ نہیں اور میری کوئی امید گاہ نہیں۔

وَقَدْ سَمِعْتُ فِیْمَا اَنْزَلْتَ اَنَّكَ قُلْتَ: (اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ) فَلَا تُخَیِّبْ رَجَائِیْ

اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا ہے۔

اللہ! میری امیدوں کو ناکام نہ کرنا۔

یٰمُوْسٰی اَفَكَانَ یَحْسُنُ بِیْ اَنْ اَرُدَّهٗ

اے موسیٰ! کیا یہ اچھا لگتا تھا کہ میں اس نوجوان کی فریاد کو رد کر دیتا۔

وَهُوَ غَرِیْبٌ عَلٰی هٰذِهِ الصِّفَةِ فَتَوَسَّلَ اِلَیَّ بِیْ وَتَضَرَّعَ بَیْنَ یَدَیَّ

اور وہ بے وطن تھا، اس نے میری رحمت کے مجھ کو واسطے دیے میرے سامنے گڑگڑایا اور خوب رویا۔

وَعِزَّتِیْ! سَاَلَنِیْ فِی الْمُذْنِبِیْنَ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ جَمِیْعًا لَوَهَبْتُهُمْ لِذُلِّ غُرْبَتِهٖ

اگر وہ ساری دنیا کے گناہگاروں کی بخشش کی مجھ سے فریاد کرتا میں

پروردگار اس کی اس کسمپرسی کی وجہ سے اور فریاد کی وجہ سے جو اتنی عاجزی سے اس نے کی میں دنیا کے سارے گناہ گاروں کی مغفرت کر دیتا۔

اللہ اکبر! اللہ! آپ کتنے کریم ہیں! اتنا بڑا گناہگار جسے لوگ بستی سے نکالتے ہیں، اگر وہ موت سے پہلے آپ کے سامنے فریاد کر لیتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: اتنی اچھی اس نے فریاد کی ساری دنیا کے گناہگاروں کی بخشش کا سوال کرتا میں ساری دنیا کے گناہگاروں کی بخشش کر دیتا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یٰمُوْسٰی! اَنَا کَهْفُ الْغَرِیْبِ وَ حَبِیْبُهٗ وَ طَبِیْبُهٗ وَ رَاحِمُهٗ

(کتاب التوابین ص ۹۱)

جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کا میں پناہ گاہ ہوتا ہوں۔ جس کا دوست کوئی نہیں ہوتا، اس کا دوست تو میں ہوتا ہوں۔ اور جس کا طبیب کوئی نہیں ہوتا، اس کا طبیب میں ہوتا ہوں۔ اور جس کا رحم کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، اس پر رحم میں پروردگار کرتا ہوں۔

ہم توبہ کرتے ہیں:

جب اللہ! آپ اتنے کریم ہیں، اتنے مہربان ہیں کہ ایک گناہگار کو اپنے اولیا کے زمرے میں شامل فرما لیتے ہیں، تو ہمیں چاہیے کہ آج کی اس مجلس میں ہم اپنے اللہ سے سچے طور پر اپنے سارے گناہوں سے معافی مانگیں۔ اللہ! ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیجیے! قیامت کے دن کی ذلت سے محفوظ فرما دیجیے۔ اللہ! ہم سے تو دو بندوں کے سامنے کی ذلت برداشت نہیں ہوتی، قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے کی ذلت کیسے برداشت ہوگی؟ اللہ! ہم

سے تو چند کلو کا وزن نہیں اٹھایا جاتا، قیامت کے دن پہاڑوں کے برابر گناہوں کا وزن ہم کیسے اٹھائیں گے؟ اللہ! ہم سے تو دنیا کی دھوپ کی گرمی برداشت نہیں ہوتی، قیامت کے دن تیری جہنم کی گرمی کہاں برداشت ہوگی؟ اللہ! ہم پر مہربانی فرمادیجیے۔ ہم انسان ہیں، ہم بھول گئے، خطائیں کر بیٹھے، آج احساس ہوا ہمیں گناہوں سے توبہ کرنی چاہیے۔ اے اللہ! ہم سچی توبہ کرتے ہیں، ہم آپ سے مانگتے ہیں، اللہ! ہم پر مہربانی فرمادیجیے! اس جگہ سے اٹھنے سے پہلے ہمارے گناہوں کو معاف فرمادیجیے!

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ﴾ (التغابن: ۱۴)

تین منزلیں تین رکاوٹیں

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
تاریخ: 10 فروری 2013ء بروز اتوار، ۲۹ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
آن لائن بیان

تین منزلیں تین رکاوٹیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○
﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ﴾ (التغابن: ۱۴)
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

آل اولا د راستے کی رکاوٹ ہیں:

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے ایمان والو! ﴿اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ﴾ بے شک تمہاری بیویاں اور اولادیں تمہاری دشمن ہیں ﴿فَاحْذَرُوْھُمْ﴾ ان سے بچ کر رہو۔

یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ اولادیں تو ماں باپ کی خیر خواہ ہوتی ہیں اسی طرح بیویاں بھی محبت کرنے والی ہوتی ہیں، تو انہیں یہ کیوں کہا گیا کہ بعض بیویاں یا اولادیں دشمن ہوتی ہیں؟ وجہ یہ ہے کہ جب بھی انسان بیوی کی محبت میں یا اولاد کی محبت میں آ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کو نظر انداز کر دیتا ہے، یا پھر اللہ کے احکام کو توڑ دیتا ہے، تو وہ پھر اس کے دوست نہیں ہوتے وہ گویا اس کے دشمن

ہوتے ہیں۔اسی لیے ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف جانے سے روک دے وہ راستے کی رکاوٹ ہے۔

آج کا عنوان:

آج کے دور میں عجیب ترتیب ہے کہ مرد کے پاس مال ہوتو اسے خوش بخت سمجھا جاتا ہے اور عورت کے پاس جمال ہوتو اس کو خوش بخت سمجھتے ہیں۔مرد کے اخلاق اچھے نہ ہوں، شخصیت اچھی نہ ہو، اس کی زندگی میں جھوٹ سچ کا فرق نہ ہو، کوئی ان باتوں کو نہیں دیکھتا۔صرف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ ملٹی ملینر ہے، یہ لینڈ لارڈ ہے۔اگر عورت نیک ہے، پردہ دار ہے، خوش اخلاق ہے، سلیقہ شعار ہے ان چیزوں کو بعد میں دیکھتے ہیں، سب سے پہلے اس کی خوبصورتی کو دیکھتے ہیں۔ تو عورت کا حسین ہونا آج کے دور میں بخت بن گیا ہے، حالانکہ نیکوکاری کا ہونا یہ بخت کہلاتا ہے۔

تو ہم اس بات کو سمجھ لیں کہ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو بظاہر محسوس نہیں ہوتیں، لیکن ہمارے راستے کی رکاوٹ ہوتی ہیں۔ چنانچہ تین منزلوں کی تین رکاوٹیں ہیں۔

① ۔قبر ہماری منزل اور غفلت اس کی رکاوٹ ہے۔

② ۔آخرت ہماری منزل اور دنیا اس کی رکاوٹ ہے۔

③ ۔تعلق باللہ ہماری منزل ہے اور نفس اس کی رکاوٹ ہے۔

ہمارے آج کے اس بیان کا عنوان یہی ہے۔

پہلی بات

قبر ہماری منزل اور غفلت اس کی رکاوٹ ہے

اس حقیقت کو تو ہر شخص جانتا ہے کہ ایک دن اس نے مرنا ہے اور قبر میں جانا ہے۔ کیونکہ

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (العنکبوت:۵۷)

''ہر ذی روح نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔''

لیکن عجیب بات ہے کہ ہم اس موت جیسی حقیقت کو بھول جاتے ہیں۔ اور غفلت بھری زندگی گزارتے ہیں۔ یہ غفلت ہماری قبر کی منزل کے لیے ایک رکاوٹ ہے۔

غفلت دوری کا سبب بنتی ہے:

آپ اس بات کا مشاہدہ کر چکے ہوں گے کہ دوست دوست سے ناراض ہوتا ہے کہ تم نے کال کیوں نہیں کی؟ میسج کیوں نہیں کیا؟ کیا مطلب؟ تم نے مجھے یاد کیوں نہیں کیا؟ گویا وہ شکایت کرتا ہے کہ تم نے غفلت کیوں برتی؟

مالک اپنے مزدور سے ناراض ہوتا ہے کہ تم نے فلاں فلاں کام کیوں نہ سمیٹا؟ یعنی غفلت کیوں برتی؟

بیوی اپنے خاوند سے ناراض ہوتی ہے، آپ اتنی دیر سے گھر آتے ہیں، گھر کے کام آپ کو یاد نہیں ہوتے۔ کیا مطلب؟ کہ آپ غفلت برتتے ہیں۔

ماں باپ اولاد سے کہتے ہیں: تمہارے پاس ہمارے پاس بیٹھنے کے لیے

وقت ہی نہیں ہے، یعنی تم ہم سے غافل ہو۔

گویا غفلت ہی ہے جو بنیادی طور پر دوری کا باعث بنتی ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ﴾ (الاعراف:۲۰۵)

''تم غافلوں میں سے نہ ہو جانا''

اس لیے کہ غافل ہو گئے تو مجھ سے دور ہو جاؤ گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موت کو یاد کرنا:

اسی لیے جو شخص اپنی قبر کو یاد رکھتا ہے، وہ دنیا کی مشقتوں میں رہ کر بھی آخرت کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس پر انہوں نے یاددہانی کے طور پر لکھوایا ہوا تھا:

﴿كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا يَا عُمَرُ﴾ (جامع الاحادیث للسیوطی: ۲۹۶۵۵)

''اے عمر! بندے کے لیے موت کی نصیحت کافی ہے۔''

انہوں نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو کہا تھا کہ میرے ساتھ ساتھ رہا کریں اور مجھے وقتاً فوقتاً موت کی یاد دلاتے رہا کریں۔ ایک دن آپ نے انہیں فرمایا کہ اب تم کسی اور کام میں لگ جاؤ۔ انہوں نے پوچھا: امیر المومنین! کیا اب موت کو یاد رکھنے کی ضرورت نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی داڑھی کی طرف اشارہ کیا، جس کے چند بال سفید تھے اور فرمایا: یہ سفید بال موت کی یاد دلانے کے لیے اب کافی ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم موت کو یاد کرتے تھے:

صحابہ رضی اللہ عنہ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ وہ حیلے بہانے سے موت کا تذکرہ چھیڑتے رہتے تھے، اور موت کو یاد رکھتے تھے۔

ایک دفعہ ایک جنازہ جا رہا تھا اور لوگ بھی پیچھے چل رہے تھے تو کسی شخص نے پوچھا کہ یہ کس کا جنازہ ہے؟ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ تمہارا جنازہ ہے۔ تو پوچھنے والا ذرا حیران ہوا۔ صحابی فرمانے لگے: اچھا! اگر آپ ناراض ہوتے ہیں تو یہ میرا جنازہ ہے۔ وہ اور زیادہ حیران ہوا۔ پھر آپ نے اس کو بات سمجھائی کہ اے دوست! جس نے جانا تھا وہ تو دنیا سے چلا گیا، اب یا تمہارا جنازہ اٹھے گا یا میرا جنازہ اٹھے گا۔

تو معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم موت کو بکثرت یاد کرتے تھے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصیحت:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ)) (بخاری، حدیث: ۶۴۱۶)

''تم دنیا میں ایسے زندگی گزارو جیسے کوئی پردیسی ہوتا ہے یا راستے میں چلتا ہوا مسافر ہوتا ہے۔''

ہمارا یہ تجربہ ہے کہ پردیسی کو پردیس میں اپنا وطن یاد آتا ہے۔ راستے میں چلتا ہوا مسافر اپنے بیوی بچوں کو، گھر کو یاد کرتا ہے۔ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمانے کا مقصد یہی تھا کہ تم دنیا میں زندگی تو گزارو، مگر آخرت والے گھر کو بھولو نہیں۔ تم اس دنیا کے محلات میں زندگی گزارتے ہوئے قبر کی کال کوٹھڑی کو مت بھول جانا۔ ہم

دنیا میں جتنے بھی مزے اٹھالیں، ایک دن تو آخر دنیا سے جانا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اَکْثِرُوْا ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ یَعْنِی الْمَوْتَ

(ابن ماجہ، حدیث: ۴۲۵۸)

''لذتوں کو توڑ دینے والی چیز موت کو یاد کیا کرو''

مرتے مرتے بچنا اور بچتے بچتے مرنا:

چنانچہ ایک بزرگ تھے۔ ان کے سامنے کسی نے تذکرہ کیا، حضرت! فلاں بندہ تو مرتے مرتے بچا ہے۔ وہ مسکرا کر کہنے لگے: وہ مرتے مرتے کیا بچا ہے وہ بچتے بچتے مرے گا۔ بالآخر تو بندے نے مرنا ہی ہے۔ اب جب غفلت آجاتی ہے تو پھر انسان کو موت بھول جاتی ہے۔

غفلت کی چند صورتیں:

غفلت کی چند صورتیں ہیں۔

❁ ایک صورت یہ ہے کہ موت سے بے پرواہی ہو۔ جیسے آج انسان کی زندگی کو دیکھ رہے ہیں۔ اگر ظاہری طور پر مال و دولت، کھانا پینا ہے، کاریں ہیں، بہاریں ہیں، روٹی ہے بوٹی ہے، تو وہ سمجھتا ہے میری زندگی بہت اچھی گزر رہی ہے۔

چنانچہ ایک دفعہ میں نے کسی شخص سے پوچھا: تمہارا کیا حال ہے؟ تو کہنے لگا: جو گزر جائے واہ واہ ہے۔ حالانکہ اس شخص کی پورے دن میں پانچ نمازیں بھی نہیں ہوتی تھیں، مگر غفلت اتنی تھی کہ کہنے لگا: جو گزر جائے واہ واہ ہے۔ یہ صرف

ان لوگوں کی بات نہیں جو پکے دنیا دار ہیں، دیندار لوگ بھی اس بے پرواہی میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ عرفات کے میدان میں ایک حاجی صاحب تھے، ان سے کسی نے پوچھا: جی! آپ کی عمر کیا ہے؟ ماشاء اللہ! فرمانے لگے: ظاہر میں عمر تو بہتر سال ہے، مگر میرا دل ستائیس سال سے اوپر نہیں گیا۔ اسی کو تو بے پرواہی کہتے ہیں کہ بہتر سال کی عمر میں بھی ایک انسان ستائیس سال کے نوجوان کی خواہشات دل میں پالے۔

❁ غفلت کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ اعمال میں سستی ہوتی ہے۔ مثلاً: فرض نمازیں قضا ہو گئیں، تلاوت میں سستی ہو گئی، معمولات پورے نہ ہوئے، لیکن انسان کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ میری نیند خوب پوری ہو۔ اس کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ پرسکون نیند ملے اور ڈٹ کر سوئے۔ ؎

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سائے تلے
حشر تک سونا پڑے گا خاک کے سائے تلے

❁ اور ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ بعض لوگوں کو شام کا کھانا باہر کھانے کی عادت ہوتی ہے۔ چنانچہ گھنٹوں اسی میں گزر جاتے ہیں، آج اس پوائنٹ پر کھانا کھانا ہے، اس پوائنٹ سے یہ چیز کھانی ہے، اسی چکر میں انسان اتنی دیر تک سوتا ہے کہ اپنی فجر کی نماز بھی قضا کر بیٹھتا ہے۔

تو قبر ہماری منزل ہے، غفلت اس کی رکاوٹ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی موت کو یاد کریں، قبر کو یاد کریں اور اپنے اعمال پر توجہ دیں، تاکہ اپنے مقصد کو نہ بھولیں۔

دوسری بات

آخرت ہماری منزل ہے، دنیا اس کی رکاوٹ ہے

دوسرا پوائنٹ ہے کہ

آخرت ہماری منزل ہے اور دنیا کی مصروفیات اس کی رکاوٹ ہیں۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے بتایا:

((اِنَّ الدُّنْیَا خَضِرَۃٌ حُلْوَۃٌ)) (مسند احمد، حدیث: ۲۷۰۵۴)

''دنیا بہت سرسبز اور میٹھی ہے۔''

جیسے میٹھی چیز کھانے سے جی نہیں بھرتا، یا سرسبز منظر دیکھنے سے انسان کا جی نہیں بھرتا، ایسے ہی دنیا سے بھی جی نہیں بھرتا۔

مشائخ نے فرمایا:

اَلدُّنْیَا سَحَّارَۃٌ (البحر المدید: ۱/۱۴۰)

''دنیا جادوگرنی ہے۔''

جب اس کا جادو چل جاتا ہے تو انسان کو آخرت کی یاد ہی نہیں رہتی۔

عقل مند کون؟

ایک مرتبہ کچھ نوجوان نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کہنے لگے:

اے اللہ کے نبی!

مَنْ اَکْیَسُ النَّاسِ وَ اَحْزَمُ النَّاسِ؟

''انسانوں میں سب سے زیادہ عقلمند اور سمجھ دار کون ہے؟''

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

أَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ

''جو موت کو کثرت سے یاد کرے۔''

وَأَكْثَرُهُمْ اِسْتِعْدَادًا لِلْمَوْتِ

''اور جو موت کی تیاری میں لگا رہے۔''

أُولَئِكَ الْأَكْيَاسُ (مجمع الزوائد، حدیث: ۱۸۲۱۴)

''یہ عقلمند ہیں۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک عقلمند انسان وہ تھا جو موت کو یاد رکھے اور موت کی تیاری میں لگا رہے۔ اور جو دنیا پر ہی ریجھ کر بیٹھ جائے نبی علیہ السلام کے نزدیک وہ بے عقل انسان ہے۔

غافل انسان کے شب وروز:

آج کے انسان نے اپنی چوبیس گھنٹے کی زندگی کو فقط دنیا ہی کے مقاصد میں لگا دیا ہے۔

......اگر کوئی دکان دار ہے تو وہ اپنی صبح اس نیت سے کرتا ہے کہ آج مجھے اتنے لاکھ کی سیل کرنی ہے۔

......اگر کوئی انڈسٹریلسٹ ہے تو وہ اپنی فیکٹری میں اس نیت سے جاتا ہے کہ آج مجھے اتنے ٹن پروڈکشن دینی ہے۔

......اگر کوئی نوکری پیشہ افسر ہے تو وہ اس نیت سے دفتر میں جاتا ہے کہ آج میرے ٹیبل پر جتنی ڈاک پڑی ہوگی وہ سب میں نے خالی کر دینی ہے۔

عورت اگر گھر میں ہے تو اس کا روزانہ کا ایک مقصد ہوتا ہے کہ میں نے گھر کو صاف رکھنا ہے، اچھے کھانے بنانے ہیں، بچوں کو وقت پر اسکول بھیجنا ہے، پھر شام کو ان کا ہوم ورک دیکھنا ہے اور اپنے گھر کے سب لوگوں کو راضی رکھنا ہے۔ اگر گھر کے سب لوگ راضی رہیں، خاوند بھی، ساس سسر بھی، تو وہ سمجھتی ہے کہ بس آج مقصد پورا ہو گیا۔ یہ ہمارے دن کا شیڈول ہے۔

اگر شام کو دیکھیں تو جب سب لوگ کام سے واپس لوٹتے ہیں تو جو بڑی عمر کے لوگ ہوتے ہیں وہ خبریں سنتے ہیں، جو نوجوان ہوتے ہیں وہ انٹرنیٹ پر بیٹھ جاتے ہیں، جو عورتیں ہوتی ہیں تو وہ فون پر اپنی سہیلیوں سے بات کرتی ہیں، رشتے داروں سے بات کرتی ہیں، اگر بچوں کو دیکھو تو وہ آئی پیڈ لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔

اگر رات کا شیڈول دیکھیں تو وہ یہ ہوتا ہے کہ آج ہم نے ڈنر فلاں کے ساتھ کرنا ہے، آج والدین ہمارے گھر آئیں گے، میں بھائی کے گھر جاؤں گا، دوست کے ہاں جاؤں گا۔ فلاں ملاقات ہے۔ تو مقصد یہ کہ کھانا اور اس کے بعد سونا۔

اب سارے دن رات کے شیڈول کو سامنے رکھ کر دیکھیں تو آپ کو اس میں عبادت کہیں نظر ہی نہیں آئے گی۔

کاش کے ایک شیڈول یہ بھی ہوتا کہ

آج پانچ نمازیں میں نے تکبیر اولیٰ سے پڑھنی ہیں۔

آج میں نے اپنے دن کی ابتدا قرآن مجید کی تلاوت سے کرنی ہے۔

آج کی رات میں نے تہجد کی نماز باقاعدہ پڑھنی ہے۔

آج دن میں، میں نے کسی بیمار کی تیمارداری کرنی ہے۔
آج کے دن میں، میں نے کسی محتاج کے کام آنا ہے۔
آج مجھے کسی کا دکھ بانٹنا ہے۔

لیکن ہمارے زندگی میں تو یہ شیڈول نظر ہی نہیں آتا۔ تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہماری زندگی کا جو انداز ہے وہ صرف اس طرح سے ہے کہ موجودہ زندگی اچھی گزر جائے۔

دنیا ہی کو جنت بنانے میں مصروف:

اسی لیے سچ بات تو یہ ہے کہ آج کا ہر انسان اپنی جنت سجانے میں لگا ہوا ہے۔

......بیوی میری ایسی ہونی چاہیے۔
...... بچے ایسے ہوں
......مکان میرا ایسا ہو
......گاڑی میری ایسی ہو
......کاروبار ایسا ہو

جو اپنی من پسند ہے، اس کے مطابق وہ اپنے خواب پورے کر رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہر انسان کے لیے جنت آخرت میں بنائی، ہم اپنی جنت اسی دنیا میں بنانے میں مصروف ہوتے ہیں۔

آخرت کی تیاری کی ضرورت:

ہمارے ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اے دوست! جتنا تجھے دنیا میں

رہنا ہے اتنی دنیا کے لیے کوشش کر لے اور جتنا آخرت میں رہنا ہے، اتنی آخرت کے لیے کوشش کر لے۔ دنیا کی ہماری زندگی سو پچاس سال ہے اور آخرت کی زندگی کروڑوں، اربوں اور کھربوں سال سے بھی زیادہ ہے، ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہنا ہے۔تو سوچیے کہ ہمیں آخرت کے لیے کتنی تیاری کرنے کی ضرورت ہے۔

دنیا کو بھی دین بنالیں:

جب یہ احساس پیدا ہو جائے کہ مجھے آخرت کی تیار کرنی ہے تو انسان اس دنیا کی ذمہ داریوں کو بھی پورا کرتا ہے، مگر آخرت کو بھی بناتا ہے۔ مثال کے طور پر: دین دار انسان اپنی دنیا کو دین بنالیتا ہے۔ وہ اپنی دکان پر بیٹھا ہوا ہے ،خرید وفروخت کر رہا ہے، مگر دل میں اپنے اللہ کو یاد کر رہا ہے۔ اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (النور: ۳۷)

''میرے وہ پیارے بندے جن کو خرید وفروخت میری یاد سے غافل ہی نہیں کرتی''

یہ وہ عقل مند انسان ہے جس نے دنیا کو بھی دین بنا لیا۔ اور جب انسان آخرت سے غافل ہوتا ہے تو اپنے دین کو بھی دنیا بنا بیٹھتا ہے۔ مثال کے طور پر: نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا اور نماز کے دوران بھی اس کو اپنی دکان کے کاروبار کا خیال رہا تو نماز بھی دنیا بن گئی۔

ہمارے اکابر اپنے وقت کا استعمال اتنے محتاط ہو کر کرتے تھے جس طرح کنجوس انسان اپنے پیسے کو محتاط استعمال کرتا ہے، مگر زندگی کی ترتیب ایسی ہے کہ

ہم پر اس وقت دنیا خوب غالب ہے۔ چنانچہ سارا دن ہم دکان کے اندر ہوتے ہیں اور جب رات آتی ہے تو دکان ہمارے اندر ہوتی ہے۔ یعنی رات کے وقت بھی ہمارے ذہن میں دکان ہی کے خیال ہوتے ہیں۔ انہی خیالوں میں سوتے ہیں، انہی خیالوں میں جاگتے ہیں۔

''سبحان اللہ'' کہنے پر جنت کا وسیع پلاٹ:

اللہ رب العزت نے ہمارے لیے اس وقت جنت کو سیل پر لگایا ہوا ہے۔ وہ بہت Discounted Rate (رعائتی قیمت) پر دستیاب ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص ایک مرتبہ ''سبحان اللہ'' پڑھتا ہے تو عربی نسل کا گھوڑا اگر ستر سال تک دوڑتا رہے تو تب بھی اس کا سایہ ختم نہ ہو۔ عربی نسل کا گھوڑا فرض کیجیے کہ پچاس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا ہے، تو ایک دن میں یعنی چوبیس گھنٹے میں اس نے بارہ سو میل کا فاصلہ طے کر لیا۔ اور اگر ہم ایک مہینے میں دیکھیں تو اس نے چھتیس ہزار میل کا فاصلہ طے کر لیا۔ زمین کا Circumference (محیط) چوبیس ہزار میل ہے اور زمین ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے اور چوبیس گھنٹے میں اس کا چکر پورا ہو جاتا ہے۔ تو اگر اس کا محیط چوبیس ہزار میل ہے تو گھوڑے نے ایک مہینے میں چھتیس ہزار میل کا سفر کیا تھا، گویا اس نے ایک مہینے میں ڈیڑھ زمین کے برابر فاصلہ طے کر لیا۔ تو ایک سال کے اندر اس نے اٹھارہ زمینوں کے برابر فاصلہ طے کر لیا اور اگر ستر سال ہوں تو بارہ سو ساٹھ زمینوں کے برابر فاصلہ بنتا ہے۔ گویا ایک مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہنے پر جنت میں اتنا بڑا رقبہ ملے گا، جو ہماری زمین جتنی بارہ سو ساٹھ

زمینوں کے برابر ہوگا۔

ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ انسان حرم شریف کے اندر جو عمل کرتا ہے تو ایک پر ایک لاکھ کا اجر ملتا ہے، تو حرم میں اگر ایک مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہا تو بارہ سو ساٹھ کو ایک لاکھ سے ضرب دے دیں۔ تو پھر ایک سو چھبیس ملین زمینیں بنتی ہیں۔ اب ذرا سوچیے کہ ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے پر اگر ۱۲۶ ملین زمینوں کے برابر جنت میں رقبہ ملتا ہے تو یہ کتنا سستا پلاٹ ہے! دنیا میں تو ساری زندگی محنت کر کے ہم چند مرلے کا رقبہ نہیں خرید سکتے اور ایک مرتبہ سبحان اللہ حرم میں جا کر کہو تو ۱۲۶ زمینوں کے برابر رقبہ ملے۔ واقعی سچ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو آج سیل پر لگایا ہوا ہے۔ ہم نے اسی دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی تیاری کرنی ہے۔

جنت کے محل کی کوالٹی، دنیا کے اعمال کے بقدر:

حدیث مبارکہ میں ہے کہ جنت ایک کھلا میدان ہے، (المعجم الکبیر: ۱۰/ ۱۷۳) ہر انسان جیسے اعمال کرتا ہے، ویسے ہی اس کا گھر بنایا جاتا ہے۔ کم کوالٹی کے اعمال ہوں گے تو وہاں کا گھر بھی کم کوالٹی کا ہوگا، اور اگر اچھے اعمال ہوں گے تو اس سے بہتر کوالٹی کا ہوگا۔ مثلاً:

بعض لوگوں کے گھر سونے چاندی کی اینٹوں سے بنے ہوں گے۔

بعض لوگوں کے گھر سرخ یاقوت سے بنیں گے۔

اور حدیث پاک میں ہے کہ بعض لوگوں کے گھر بے جوڑ موتی کے بنے ہوں گے۔ سبحان اللہ!

حدیث پاک میں ہے کہ ایک بندے کے فرشتے جنت میں گھر بنا رہے

ہوتے ہیں، پھر وہ کام کو روک دیتے ہیں، دوسرے فرشتے ان سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے کام کیوں روکا؟ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں پیچھے سے را میٹیریل (اینٹ گارا) ملنا بند ہو گیا۔ گویا ہمارے نیک اعمال را میٹیریل ہیں اور اس سے ہمارے لیے جنت کا محل بنتا ہے۔

تو ہمیں چاہیے کہ ہم ہر لمحے نیکی کرتے رہیں۔ ہمارے مشائخ نے کہا کہ جو ''دم غافل سو دم کافر'' کہ جو سانس غفلت میں گزر گیا گویا کہ وہ سانس کفر کی حالت میں گزر گیا۔ ایک سانس کی دیر بھی تم اللہ سے غافل نہ رہو۔

سب سے چھوٹی جنت کی وسعت:

حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان جتنا فاصلہ ہے، اس کو دنیا کہتے ہیں، تو آخری جنتی کو اس دنیا سے دس گنا بڑی جنت ملے گی۔ (صحیح ابن حبان، حدیث: ۷۳۷۹) آپ سوچیے کہ آج جو سائنسدان ستاروں کے بارے میں تحقیقات کر رہے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ کھرب ہا کھرب Stars (ستارے) اور Galaxies (کہکشائیں) ہیں۔ اللہ اکبر! کتنی بڑی کائنات ہے اور اس کائنات سے دس گنا بڑی جنت آخری جنتی کو ملے گی۔ تو سوچنے کی بات ہے کہ پھر اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنت کا کیا عالم ہو گا!؟ اللہ اکبر کبیرا! یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم واقعی دنیا کی مشغولیتوں میں الجھ کر اپنی آخرت کو برباد کر رہے ہیں۔

اکابر کا فرمان:

ہمارے اکابر نے فرمایا:

دنیا کام کی جگہ ہے۔

قبر آرام کی جگہ ہے۔

اور جنت عیش کی جگہ ہے۔

ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے دنیا کو بنایا کبھی بھی اس کو محبت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ (شعب الایمان، حدیث: ۱۰۰۱۸)

دنیا اپنے چاہنے والوں کے ساتھ جہنم میں:

ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دنیا کو بلائیں گے اور وہ ایک بڑھیا کی شکل میں پیش کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس بڑھیا کو کہیں گے کہ تم جاؤ جہنم میں۔ جب بڑھیا کو جہنم میں جانے کا حکم ہوگا تو وہ کہے گی: اے اللہ! آپ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

''انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی۔''

تو میرے چاہنے والے تو بہت ہیں، ان کو بھی میرے ساتھ بھیجیے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جتنے لوگوں کے دل میں دنیا کی محبت تھی، جو دنیا کو پوجتے تھے، دنیا کو چاہتے تھے، دنیا کو مقدم کرتے تھے، دنیا ان کا مقصدِ زندگی تھی، وہ بھی تمہارے ساتھ جہنم میں جائیں گے۔ چنانچہ جس کے دل میں دنیا کی ذرا سی بھی محبت ہوگی، اس بندے کو اس دنیا کے ساتھ جہنم کے اندر پھینک دیا جائے گا۔

اب تو گھبرا کر یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

تیسری بات

تعلق باللہ ہماری منزل، نفس اس کی رکاوٹ ہے

اور تیسرا پوائنٹ یہ ہے کہ
اللہ رب العزت سے تعلق جوڑنا، ان کا قرب پانا، ان کو راضی کرنا، یہ ہماری منزل ہے اور نفس اس کی رکاوٹ ہے۔

نفس پرستی، خدا پرستی نہیں:

آپ نے الفاظ سنے ہوں گے، زر پرستی، زن پرستی، خواہش پرستی، یہ سب کی سب بت پرستی کی اقسام ہیں، خدا پرستی کچھ اور ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ﴾ (الفرقان: ۴۳)

''کیا دیکھا آپ نے اس کو جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا؟''

یعنی رب معبود نہیں رہا، خواہش معبود بن گئی۔ اور ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ نفس کی پرستش کی گئی ہے۔ کسی بت کو اتنا نہیں پوجا گیا جتنا نفس کو پوجا گیا۔

اللہ تک پہنچنے کے لیے نفس پر قدم رکھنا پڑتا ہے:

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات خواب میں اللہ رب العزت کا دیدار کیا۔ تو میں نے پوچھا: اے اللہ! میں آپ تک آنا چاہتا ہوں، کیسے آؤں؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

دَعْ نَفْسَكَ وَ تَعَالَ (روح البیان: ۱۰/۱)

''اپنے نفس کو چھوڑ دے اور میرے تک آ جا''

اسی لیے بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جنت دو قدم ہے۔

کسی نے پوچھا: حضرت! کیا مطلب کہ جنت دو قدم ہے؟

فرمایا کہ تو پہلا قدم اپنے نفس پر رکھ دے تیرا دوسرا قدم جنت میں جائے گا۔

مرد و عورت کا نفسانی تعلق:

آج نفس کی پوجا اتنی زیادہ ہے کہ اس وقت غیر محرم کا فتنہ اپنی کلائمکس پر ہے۔ ویسے بھی حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''میں نے اپنے بعد امت کے مردوں کے لیے عورت سے بڑا فتنہ کوئی نہیں چھوڑا۔'' (بخاری، حدیث: ۵۰۹۶)

تو مردوں کے لیے عورت کا فتنہ، عورتوں کے لیے غیر محرم مرد کا فتنہ۔ قرآن مجید کی آیت اس بات کی تصدیق کرتی ہے۔ فرمایا:

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ﴾ (آل عمران: ۱۴)

''ہم نے مزین کر دیا انسانوں کے لیے شہوات کی محبت کو جیسے عورتیں۔''

شیطان عورت کے دل میں ڈالتا ہے کہ تم بن سنور کر باہر نکلو اور مردوں کے دل میں ڈالتا ہے کہ ذرا اس حسن کے پیکر کو دیکھو۔ تو یوں ایک نفسانی اور شیطانی تعلق جڑتا ہے۔

نفسانی تعلق کی ابتدا:

اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ ہر نوجوان لڑکے اور لڑکی کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ مجھے شادی کے لیے بہترین ہم سفر ڈھونڈنا ہے۔ اور اس ہم سفر کی تلاش میں وہ غیر محرم سے باتیں کرتا ہے، غیر محرم لڑکیاں لڑکوں سے باتیں کرتی ہیں، کلاس فیلوز سے باتیں کرتی ہیں، کبھی کبھی نیٹ پر آپس میں ایک دوسرے سے رابطہ ہوتا ہے، سیل فون پر رابطہ ہوتا ہے۔ تو یوں زندگی کی ترتیب ایک دوسری طرف چلی جاتی ہے کہ بس تعلیم پانی ہے...... نوکری کرنی ہے...... بزنس کرنا ہے اور بزنس کے بعد ایک تعلق جوڑنا ہے۔ اس تعلق میں نوجوان اتنا آگے بڑھ جاتے ہیں کہ راتوں کو سونا بھی ان کو یاد نہیں ہوتا۔ ایک دوسرے کے ساتھ سکائپ پر باتیں ہو رہی ہیں، حتیٰ کہ اس کی انتہا یہ کہ لڑکا نفلیں پڑھ رہا ہے کہ لڑکی اس سے بات کرنا شروع کر دے۔ لڑکی تہجد پڑھ رہی ہے کہ لڑکا مجھ سے بات کرنا شروع کر دے، حالانکہ دونوں غیر محرم ہیں۔ اب ذرا غور کیجیے کہ عبادت کر کے گناہ کی دعائیں مانگنا یہ تو انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

بیویوں سے زنا:

اس لیے حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ قربِ قیامت میں لوگ اپنی بیویوں سے زنا کریں گے۔ یہ حدیث مبارکہ ہم نے شروع میں پڑھی تو بہت حیرت ہوئی کہ بیوی سے زنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟ پھر استاد نے سمجھایا کہ اس طرح ہوگا کہ میاں بیوی کے درمیان تکرار بہت ہوگا، بحث مباحثہ بہت ہوگا، بات بات پر ایک دوسرے کے ساتھ گرما گرمی ہوگی، تو نتیجہ یہ ہوگا کہ کئی مرتبہ مرد کنایہ میں

طلاق دے گا۔ کنایہ میں طلاق کا مطلب یہ کہ بھئی! ظاہر میں طلاق کا لفظ تو نہیں بولے گا، مگر کہے گا: اچھا! اچھا! جا مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں۔ تو اس قسم کی گفتگو کرنا یہ کنایہ میں طلاق کہلاتی ہے۔ اب مردوں کو چاہیے کہ وہ طلاق کے مسائل سیکھیں۔ اگر انہوں نے نکاح کیا ہے تو نکاح کو باقی رکھنے کے طریقے اور مسائل ان کو معلوم ہونے چاہییں اور ایسا کوئی لفظ نہیں کہنا چاہیے کہ جس سے طلاق کا اشارہ ملتا ہو، مگر مسائل کا پتہ ہوتا نہیں، ایسی باتیں کر جاتے ہیں جس کی وجہ سے کنائے میں طلاق ہو جاتی ہے اور پھر میاں بیوی اکٹھے رہ رہے ہوتے ہیں۔ تو ظاہر میں تو وہ میاں بیوی ہیں، مگر ان کے نامہ اعمال میں زنا کا گناہ لکھا جا رہا ہوتا ہے۔

یا مثال کے طور پر عورت نے کوئی کفریہ کلمہ بولا۔ چنانچہ کلمات کفر بھی ہمیں معلوم ہونے چاہییں، تاکہ پتہ ہو کہ یہ کلمات کبھی زبان سے نہیں نکالنے۔ ''مالا بد منہ'' میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دو بندے بات کر رہے تھے اور بات کرتے کرتے ایک نے کہا: یار! یہ تو شریعت کا حکم ہے اور دوسرے نے کہہ دیا: ''رکھ پرے شریعت کو'' فَقَدْ كَفَرَ جس نے یہ کہا کہ شریعت کو ایک طرف رکھو، یہ الفاظ کہنے والا بندہ کافر ہو گیا۔ اب اگر یہ کفر کا کلمہ بول دیا تو نکاح تو ٹوٹ گیا۔ ظاہر میں میاں بیوی بن کر رہ رہے ہیں، مگر کفریہ کلمہ بولنے کی وجہ سے ان کے نامۂ اعمال میں بیوی سے زنا کا گناہ لکھا جا رہا ہے۔

خلوت کے گناہ، سب نفسانی گناہ ہیں:

آج کل نفس پرستی اتنی بڑھتی جا رہی ہے کہ خلوت کے گناہ بہت زیادہ ہو

گئے ہیں۔ چنانچہ سیل فون ہے تو سب لوگوں سے ہٹ کر تنہائی میں غیر محرم سے بات کریں گے۔ انٹرنیٹ ہے تو کمرے بند کر کے دوسروں کے ساتھ رابطے کریں گے۔ انٹرنیٹ کے اوپر غلیظ قسم کی صورتیں دیکھیں گے، تو جب خلوت کے یہ گناہ زیادہ ہوتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ڈر دل میں نہیں ہوتا، صرف مخلوق کا ڈر ہوتا ہے۔

زانی......دل کا کالا:

حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جن لوگوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھیں گے، ان میں ایک زانی ہوگا اور دوسری بے پردہ عورت ہو گی۔ (کنز العمال، حدیث: ۴۳۸۱۸، ۴۳۸۱۹) وہ عورت جو مردوں کے سامنے آدھا جسم ننگا، آدھا چھپا ہوا، اس حالت میں آتی ہوگی، کبھی سر ننگا، کبھی سینہ ننگا، کبھی بازو ننگے، تو یہ بے پردہ عورت جب قیامت کے دن اللہ کے سامنے پیش ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے چہرے کو ہٹا لیں گے، دیکھنا بھی پسند نہیں فرمائیں گے۔

اور جو بندہ بڑھاپے میں بھی زنا کرتا ہوگا، اس کو بھی دیکھنا پسند نہیں کریں گے۔ (کنز العمال، حدیث: ۱۳۰۱۸) اب سوچیے کہ یہ ایسا گناہ ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ رب العزت اتنے ناراض ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چہرہ دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ اللہ اکبر! ؎

دل کالے توں منہ کالا چنگا تے جے کوئی اس نوں جانے ہو
منہ کالا دل چنگا ہووے تاں دل یار پچھانے ہو

''اس دل کے کالے پنے سے تو بہتر تھا کہ چہرہ کالا ہو جاتا، منہ کالا ہو، مگر

دل سفید ہو تو یار اس سے محبت کرتا ہے۔''

دیکھو! بلال رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے جانثار تھے۔ ظاہری رنگ کیا تھا، مگر اللہ کے ہاں انہوں نے کیا درجہ پایا۔ تو ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے نفس کی خواہشات کو روکیں اور حکم الٰہی کے مطابق اپنی زندگی گزاریں۔

نفس کو مارنے کے لیے رہبر کی ضرورت:

اس نفس کو قابو کرنے کے لیے کسی رہبر و رہنما کی ضرورت ہوتی ہے، گائیڈ کی ضرورت ہوتی ہے۔ آج لوگ پوچھتے ہیں کہ جی کسی سے بیعت کا تعلق جوڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم تو خود سمجھدار ہیں، ہم اپنی مرضی کی زندگی گزاریں گے۔ بھئی! ایک چھوٹی سی مثال لے لیجیے کہ ہم نے دیکھا کہ جو ورلڈ چمپئن ٹیم ہوتی ہے، کرکٹ، فٹ بال، ہاکی کی ٹیموں کا ایک کوچ ہوتا ہے۔ اب بتائیں! جو ورلڈ چمپئن ٹیم ہے، اس کے تو ہر کھلاڑی کو قانون کا پتہ ہے، طریقہ کار کا پتہ ہے، فٹ بال ہی تو کھیلنا ہے، مگر ان کو بھی کوچ کی ضرورت ہے، کیوں؟ اس لیے کہ کوچ ان کو بھی امپروومنٹ بتاتا ہے، سکھاتا ہے، جس سے وہ دوسروں کے مقابلے میں جیت جاتے ہیں۔ اور دوبارہ پھر ورڈ چمپئن بن جاتے ہیں۔ تو اگر ماہر قسم کے کھلاڑیوں کو بھی کوچ کی ضرورت ہے تو کیا ایک عام آدمی کو کسی رہبر و رہنما کی ضرورت نہیں، جو ان کو سمجھائے کہ تم اپنے نفس کے مقابلے میں کیسے جیت سکتے ہو؟ ہمارے مشائخ نے فرمایا: ؎

نہنگ و اژدھا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

نہنگ کہتے ہیں Crocodile کو، اژدھا کہتے ہیں Pythen کو اور شیر نر کہتے ہیں Lion کو۔ اگر تم نے ان تینوں کو مار لیا تو تم نے کوئی اتنا بڑا کام نہیں کیا، ہاں! اگر تم نے نفس کو مار دیا تو یہ بڑا کام کیا۔

اور آگے شاعر نے کیا خوبصورت بات کہی ہے! کہتا ہے: ؎

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے سے
ہزاروں سال سجدے میں جو سر مارا تو کیا مارا

''ایک سجدہ نہ کرنے پر شیطان اللہ کی بارگاہ سے روندا گیا، دھتکار دیا گیا، اب ہزاروں سال جو اس نے سجدے کیے تو کیا فائدہ ہوا؟''

تو معلوم ہوا کہ کوئی رہبر ہو، کوئی رہنما ہو کہ جن کی ہدایات پر انسان زندگی گزارے، اسی کو ''شیخ'' اور اسی کو ''پیر'' کہتے ہیں۔

پیرِ طریقت، گاڑی کے جی پی ایس سسٹم کی طرح ہے:

آپ آج کل کے دور میں ایک سادہ سی مثال سمجھ لیجیے! جو بھی نئی اچھی گاڑی بن رہی ہے، اس کے اندر ایک جی پی ایس سسٹم ہوتا ہے۔ وہ کیا ہوتا ہے؟ فرض کرو! آپ نے اگر کسی کے گھر جانا ہے، کسی کے دفتر جانا ہے، تو اس کا ایڈریس آپ اس کے اندر ڈال دیں تو وہ پھر آپ کو نقشے کے مطابق سڑکوں کے نشانات بتاتا رہے گا، ڈائریکشن دیتا رہے گا اور آپ بالکل آرام سے اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے۔ اس جی پی ایس سسٹم نے گویا آپ کو راستہ دکھایا۔ راستہ کو طریقت کہتے ہیں اور دکھانے والے کو پیر کہتے ہیں، گویا آج ہر گاڑی میں پیرِ طریقت موجود ہے۔

تو بھئی! دین کے راستے پر کوئی کہے کہ مجھے پیرِ طریقت کی ضرورت ہے تو اس میں کون سی انوکھی بات آ گئی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبی علیہ السلام نے طریقہ سکھایا، راستہ دکھایا، تابعین کو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور تبع تابعین کو تابعین نے اور یہ سلسلہ آج تک چل رہا ہے۔

بغیر پیر کے نفس ذبح نہیں ہوتا:

چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

نفس نا تواں کشت الا ظل پیر
دامنِ آں نفس کش را سخت گیر

''نفس نہیں کٹتا سوائے پیر کے سائے کے۔تم اس نفس کے توڑنے والے کے دامن کو سختی سے پکڑ لو''

اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرا بڑا خوب صورت شعر کہا ہے: ؎

پیر باشد نردبانِ آسمان
تیرِ پرّاں از کہ گردد از کماں

''پیر آسمان تک چڑھنے کے لیے یعنی روحانی طور پر بلندی حاصل کرنے کے لیے ایک سیڑھی کے مانند ہوتا ہے۔جو تیر کسی کمان سے نکلتا ہے وہ ٹھیک نشانے پر لگتا ہے۔''

کمان کے بغیر پھینکا ہوا تیر نشانے پہ نہیں لگتا۔اسی طرح اگر کوئی آدمی خود چاہے کہ میں اللہ کی رضا کو حاصل کر لوں تو اس کے لیے مشکل ہے۔ہاں! جو اس راستے پر چلا ہو، جس نے اس راستے کی اونچ نیچ کو دیکھا ہو، کسی اللہ والے سے سیکھا ہو، اگر اس کی ہدایات ساتھ ہوں تو پھر انسان آسانی سے اللہ کو راضی کرنے

والا بن جاتا ہے، ورنہ تو عبادتیں کرنے کے باوجود بھی انسان کا نفس سیدھا نہیں ہوتا۔

جاگ بنا دودھ جمدے نہ باہو:

ہمارے علاقے میں ایک بزرگ گزرے ہیں، حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا عجیب عارفانہ کلام ہے۔ سنیے! فرماتے ہیں: ؎

تسبیح پھری تے دل نہ پھریا
تے کی لینا تسبیح پڑھ کے ہو

''یعنی تسبیح تو تم نے پھیر لی، لیکن تمہارا اگر دل نہیں پھرا تو ایسے تسبیح پھیرنے کا کیا فائدہ؟'' ؎

علم نوں پڑھیا تے ادب نہ سکھیا
تے کی لینا علم نوں پڑھ کے ہو

''اور اگر علم ہم نے پڑھ لیا، مگر ہم نے ادب نہیں سیکھا تو پھر علم پڑھنے کا ہمیں کیا فائدہ ملا؟''

چونکہ با ادب بانصیب ہوتا ہے، بے ادب بے نصیب ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں: ؎

چلہ کٹیا تے کجھ نہ کھٹیا
تے کی لینا چلے کر کے ہو

''اگر ہم نے چلہ کاٹا، مگر اس سے ہم نے کچھ حاصل نہ کیا، تو چلے میں بیٹھنے کا کیا فائدہ ہوا؟''

ہمارے اخلاق نہ بدلے، عادات نہ بدلیں، ہمارا غصہ کم نہ ہوا، ہمارے

اندر تحمل مزاجی نہ آئی، تو ایسا چلہ کاٹ کر ہمیں کیا حاصل ہوا؟ ؎

جاگ بنا دودھ جمدے نہ باہو
بھانویں لال ہون کڑھ کڑھ کے ہو

''بغیر جاگ دودھ نہیں جمتا چاہے اسے ابال ابال کر سرخ کر لیں''

ہمارے لڑکپن کے زمانے میں دکاندار جو دہی بناتے تھے تو اس کا طریقہ کار یہ ہوتا تھا کہ پہلے وہ دودھ کو خوب اچھی طرح گرم کرتے تھے، اور جب وہ اچھی طرح گرم ہو جاتا، بالائی آجاتی تو پھر وہ اس کے اندر تھوڑی سی دہی یا لسی ڈالتے تھے، جسے ''جاگ'' کہتے ہیں، پھر رات بھر پڑا رہنے سے وہ دودھ دہی بن جاتا تھا۔ تو وہ فرماتے ہیں جاگ ڈالے بغیر دودھ دہی نہیں بنتا چاہے اس کو گرم کرتے کرتے تم سرخ کر بیٹھو۔ ایک مرتبہ دوبارہ یہ کلام سن لیجیے!

تسبیح پھری تے دل نہ پھریا
تے کی لینا تسبیح پڑھ کے ہو
علم پڑھیا تے ادب نہ سکھیا
تے کی لینا علم نوں پڑھ کے ہو
چلہ کٹیا تے کجھ نہ کھٹیا
تے کی لینا چلے کر کے ہو

ان اشعار کا مقصد یہ ہے کہ انسان اکیلا اپنے طور پر جتنی بھی عبادتیں کر لے نفس کے اندر سے انانیت ختم نہیں ہوتی، خود پسندی ختم نہیں ہوتی، تکبر ختم نہیں ہوتا، اس کی ''میں'' کو مٹانے کے لیے کسی رہبر اور رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فکر عطا فرمائے کہ ہم ان تینوں منزلوں کو اپنی منزل سمجھ لیں اور اس

کی رکاوٹوں کو دور کرلیں، اور ہماری اصل منزل تو اللہ رب العزت کی رضا ہے۔
اللہ رب العزت کے سامنے یہ فریاد ہے کہ اللہ! موت سے پہلے ہم سے راضی
ہونا اور پھر بیشک ہمیں موت عطا کر دینا۔ (آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾

(آل عمران: ۱۸۵)

مومن کے چھ غم

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 13 مئی 2012ء بروز اتوار، ۲۱ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ

مومن کے چھ غم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ (آل عمران: ۱۸۵)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دنیا ایک سراب ہے:

یہ دنیا امتحان گاہ ہے، یہ سیر گاہ نہیں، تماشا گاہ نہیں، آرام گاہ نہیں، یہ امتحان گاہ ہے، افسوس کہ ہم نے اسے چراگاہ بنالیا۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ (آل عمران: ۱۸۵)

''اور دنیا کی زندگی دھوکہ کی متاع ہے۔''

یعنی اس دنیا میں انسان کو دھوکے بہت لگتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ دنیا Full of illusion (سراب پر مبنی) ہے۔ سراب کہتے ہیں کہ جب آدمی گرمی کے موسم میں گاڑی چلا رہا ہو تو اسے دوپہر کے وقت سڑک کے اوپر پانی محسوس ہوتا ہے۔ پانی ہوتا تو نہیں، لیکن محسوس ایسے ہوتا ہے جیسے سڑک کے اوپر

پانی ہے، اس کو ''سراب'' کہتے ہیں۔

اسی طرح اگر دو ٹرینیں برابر میں کھڑی ہوں اور مسافر ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہوں، تو ایک ٹرین بھی چلے تو دوسری ٹرین جو ابھی کھڑی ہے، اس کے بندے یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری ٹرین چل پڑی ہے۔ حالانکہ یہ ٹرین کھڑی ہوتی ہے، دوسری ٹرین چل رہی ہوتی ہے۔ اس کو Illusion (سراب) کہتے ہیں کہ حقیقت کچھ ہو اور بندہ کچھ سمجھے۔

دنیا دھوکے کا گھر ہے:

اسی طرح یہ دنیا کی زندگی دھوکے کا گھر ہے۔ اس میں بہت دھوکے ہیں، اور یہ لکھے پڑھے، سمجھ دار اور عقل مند لوگوں کو لگتے ہیں۔ دنیا میں ایک بڑا دھوکہ یہ ہے کہ انسان ایمان سے محروم رہے یا اعمال سے محروم رہے۔ ایسی زندگی گزارے کہ موت کے وقت ایمان سے محروم ہو جائے یا پھر قیامت کے دن کوئی گریبان سے پکڑنے والا کھڑا ہو جائے۔ جو آدمی ایسی زندگی گزار کر جائے کہ اس کو قیامت کے دن شرمندگی ہو، وہ گویا دھوکہ میں پڑا ہوا شخص ہے۔ آپ اس شرط پر اپنے آپ کو دیکھیے تو پتہ چلے گا کہ ہم میں سے کتنے پڑھے لکھے لوگ، ایسے ہیں، جو آخرت کی صحیح معنوں میں تیاری نہیں کر رہے۔ یہ گویا دھوکہ میں پڑے ہو لوگ ہیں۔ اس لیے فرمایا:

اِعْلَمُوْا اَنَّ الدُّنْیَا دَارُ الْفَنَاءِ وَالْغُرُوْرِ وَالْاٰخِرَۃَ دَارُ الْبَقَاءِ وَالسُّرُوْرِ

''اے مومنو! جان لو کہ دنیا کی زندگی دھوکے کا گھر اور فنا ہونی والی ہے، آخرت باقی رہنی والی اور خوشی کا گھر ہے۔ قیامت کے دن اور پل صراط کے اوپر جب گزرنا ہوگا تو اس دن کی شرمندگی کو یاد رکھو!''

چنانچہ عقل مند انسان وہی ہوگا جو اس دنیا میں ایسی زندگی گزارے کہ وہ اپنے رب کے ہر حکم کو پورا کرے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر سنت کو پورا کرے، حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لے۔ تو ہمارا مقصدِ زندگی اللہ کو راضی کرنا ہے، تا کہ قیامت کے دن سرخروئی نصیب ہو۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو آخرت کا غم:

- نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس معاملے میں ہمیشہ متفکر رہتے تھے۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ نبی علیہ السلام

مُتَوَاصِلُ الْاَحْزَانِ دَائِمُ الْفِكْرِ (شعب الایمان: ۱۵۲/۲)

''مستقل غم زدہ اور فکر مند رہتے تھے۔''

ان کو امت کا غم تھا کہ ان کا آخرت میں کیا بنے گا؟

- صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو اس امت میں سب سے آگے نکل گئے، ان کے بارے میں حدیث پاک کے الفاظ ہیں:

رَجُلٌ حَزِيْنٌ

''وہ حزن وملال والے انسان تھے۔''

- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ)) (ترمذی، حدیث: ۳۶۸۶)

''میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا''

ان کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے:

كَثِيْرُ الْبُكَاءِ تھے، بہت زیادہ روتے تھے۔

حتیٰ کہ آنسوؤں کے زیادہ بہنے کی وجہ سے ان کے رخساروں پر نشان پڑ

لگے تھے۔ یہ بات ذرا غور طلب ہے کہ وہ اتنا روئے، اتنا روئے کہ چہرے پر لکیروں کے نشان محسوس ہوتے تھے۔

❁ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے تو فرمانے لگے:

يَا صَفْرَآءُ يَا بَيْضَآءُ! غُرِّيْ غَيْرِيْ (مصنف ابن ابی شیبہ : ۳۱۹/۱۲)

''اے سونا! اے چاندی! میرے غیر کو دھوکہ دے، میں تیرے دھوکے میں پھنسنے والا نہیں''

کامیاب زندگی کے لیے غم ضروری ہے:

چنانچہ جتنے لوگ اس دنیا میں کامیاب زندگی گزار کر گئے، یہ وہ تھے کہ جو آخرت کے بارے میں فکرمند رہتے تھے اور آخرت کی تیاری میں لگے رہتے تھے۔

اس کی مثال یوں سمجھیے کہ اگر کسی طالب علم کا امتحان ہو تو آپ دیکھیں گے کہ امتحان سے دو مہینے پہلے مختلف تقاریب میں جانا چھوڑ دے گا، کھیلنا چھوڑ دے گا، ہر وقت پڑھنا اس کا معمول بن جائے گا۔ کم کھائے گا، کم سوئے گا، ملنے کے لیے دوست آئیں گے تو ان کو بھی نا کر دے گا اور ہر وقت کتابوں میں مشغول رہے گا۔ کیوں؟ اس کو پتہ ہے کہ میں نے امتحان میں Appear (شامل) ہونا ہے۔ آج محنت کروں گا تو کل اچھا نتیجہ ملے گا۔ چنانچہ جو اچھی تیاری کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو ہر مضمون میں A گریڈ لیتے ہیں اور ان کا جی پی اے 9 سے اوپر چلا جاتا ہے۔ آج دنیا میں ہم اگر اسی طرح آخرت کے لیے فکرمند ہوں، اور دن رات کے اوقات کو ضائع کرنے کے بجائے شریعت کے مطابق استعمال کریں تو یقیناً آخرت میں ہماری کامیابی ہوگی۔

مومن کے چھ غم:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر مومن کو اس دنیا میں چھ غم ہوتے ہیں۔ چھ غموں کے بغیر کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا، یہ ہر مومن کو ہوں گے۔

پہلا غم

اہل وعیال ذکرِ الٰہی سے غافل نہ کر دیں

سب سے پہلا غم یہ کہ اہل وعیال ذکر سے غافل نہ کر دیں۔ اصل زندگی تو وہی ہے جو اللہ کی یاد میں گزرے ورنہ تو سراسر شرمندگی ہے۔ تو غفلت کا آ جانا ایک مومن کے لیے بڑے غم کی بات ہے۔

غفلت کیوں آتی ہے؟

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝﴾ (المنافقون: ۹)

’’اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔‘‘

معلوم ہوا کہ اکثر زندگی میں جو غفلت آتی ہے، مال کی وجہ سے آتی ہے یا اولاد کی وجہ سے۔ آپ دیکھیں! کوئی آدمی مال کے لالچ میں حرام کماتا ہے، تاکہ میرا پیسہ زیادہ بڑھ جائے۔ مال کی حرص کی وجہ سے زکوٰۃ نہیں دیتا۔ مال کی حرص کی وجہ سے لوگوں کے ساتھ بد دیانتی کرتا ہے۔ اور کئی مرتبہ دنیا کے اندر اپنی

بیوی اور بچوں کے ساتھ عیش کا وقت گزارتا ہے، اور فرائض و واجبات کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ بیوی کو پورا وقت مل جاتا ہے، پانچ وقت کی نمازوں کے لیے فرصت نہیں ہوتی۔ تو اللہ رب العزت نے فرمایا کہ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تمہیں کہیں غفلت میں نہ ڈال دیں۔

ذرا اور تفصیل میں اگر جائیں تو آپ دیکھیں کہ شادی بیاہ پر انسان سنتوں کو بھول جاتا ہے، رسم و رواج اسے یاد رہ جاتے ہیں۔ وہ انسانوں کو خوش کرتا ہے، پروردگار کو ناخوش کر لیتا ہے۔ وہ دنیا کے سارے طور طریقے اپنا لیتا ہے، نبی علیہ السلام کی سنت کو بھول جاتا ہے۔ اسی طرح بعض عورتیں ہیں جن کو پردہ کرنا بوجھ نظر آتا ہے اور پھر خاوند بھی ان کو بے پردگی کی زندگی گزارنے کی اجازت دے دیتے ہیں، یہ دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے۔

اکابر، اہلِ خانہ کو شریعت پر چلاتے تھے:

ہمارے اکابر اس معاملے میں بہت زیادہ فکرمند رہتے تھے، خود بھی شریعت پر چلتے تھے، اہل خانہ کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی احتیاط:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرماتے تھے کہ میں بیت المال سے اتنے ہی پیسے لوں گا کہ میری بس ضرورت پوری ہو جائے۔ چنانچہ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی بیوی نے ایک مرتبہ کہا کہ بہت عرصہ ہو گیا کچھ میٹھا کھائے ہوئے، کوئی سویٹ ڈش بنانے کو جی چاہتا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ہر عام آدمی سویٹ ڈش نہیں کھا سکتا۔ میں چونکہ سب کا ذمہ دار ہوں تو میں تو عام آدمی جیسی زندگی

گزاروں گا۔ بیوی کئی دن کہتی رہی، پھر بیوی نے سوچا کہ کیوں نہ میں ماہانہ میں سے کچھ پیسے بچا کر اس میں سے کچھ حلوہ بنالوں۔ پھر ایک دن آپ گھر آئے تو آپ نے دیکھا کہ گھر میں روٹی کے ساتھ حلوہ بھی بنا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اہلیہ سے پوچھا کہ اس کی چیزیں کہاں سے لیں؟ اس نے کہا کہ جی میں اپنے پیسوں میں سے تھوڑی تھوڑی بچت کرتی رہی، حتیٰ کہ میں نے سویٹ ڈش کے پیسے بچا لیے اور آج میں نے یہ ڈش پکالی۔ آپ نے فرمایا کہ اب ثابت ہو گیا کہ میرا بیت المال سے اتنا پیسہ فالتو آتا ہے، لہٰذا آپ نے بیت المال سے آئندہ اتنے پیسے کم کر دیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی احتیاط:

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس فتوحات کا کچھ مال آیا۔ بوتلوں کے اندر عطر (خوشبو) تھا۔ آپ کی اہلیہ کہنے لگیں کہ حضرت! آپ اجازت دیں تو یہ میں تقسیم کر دیتی ہوں۔ فرمایا: نہیں! آپ نہ کریں کوئی اور تقسیم کرے۔ پوچھا: کیا آپ کو میرے اوپر اعتماد نہیں کہ میں ٹھیک تقسیم کروں گی؟ فرمایا: یہ بیت المال کا مال ہے، جب آپ اس کو تقسیم کرنے کے لیے بیٹھیں گی تو اس وقت آپ کے ہاتھوں پر جو عطر لگے گا، میں نہیں چاہتا کہ اتنا بھی کچھ حصہ میرے اہل خانہ کو بیت المال سے زیادہ مل جائے۔ (الزہد لاحمد بن حنبل: ص ۱۱۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی احتیاط:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملنے کے لیے آئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: بھائی علی! کیسے آنا ہوا؟ سرکاری کام ہے یا ذاتی مشورہ ہے۔ انہوں نے کہا: بس میں ذاتی مشورے کے لیے آیا ہوں۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے پھونک ماری اور چراغ

بجھا دیا، ہر طرف اندھیرا ہو گیا۔ علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: بھائی عمر! مہمان پر آنے پر روشنی جلایا کرتے ہیں، روشنی بجھایا نہیں کرتے۔ عمر رضی اللہ عنہ مسکرائے اور کہنے لگے: بھائی علی! آپ نے بالکل صحیح کہا، مگر بات یہ ہے کہ مجھے اور آپ کو زیب نہیں دیتا کہ ہم آپس میں ذاتی گفتگو کرتے رہیں اور بیت المال کے پیسے کا تیل جلتا رہے۔ (حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات: ص ۱۲۳)

یہ وہ لوگ تھے جو اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتے تھے۔ اس لیے کہ انہیں پتہ تھا کہ ہم نے قیامت کے دن اللہ کے سامنے حاضر ہو کر جواب دینا ہے۔

اہل وعیال تمہارے دشمن:

انسان یہ سوچے کہ کہیں اہل وعیال کی طرف سے تو غفلت میں نہیں پڑ رہا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ایک جگہ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ﴾ (التغابن: ۱۴)

''بے شک تمہارے پاس تمہاری بیویاں اور تمہاری اولادیں دشمن ہیں''

قرآن میں جوان کے لیے دشمن کا لفظ استعمال کیا، کس لیے؟ اس لیے کہ ان کی محبت میں آکر تم شریعت کے خلاف کام کرتے ہو، چنانچہ وہ تمہارے دوست نہیں، وہ تمہارے لیے دشمن ہیں۔ جن بیوی بچوں کی وجہ سے انسان جھوٹ بولتا ہے، حرام کماتا ہے، شریعت کے خلاف کام کرتا ہے، یہ بیوی بچے دوست نہیں دشمن ہیں۔ یہ دشمن کا لفظ قرآن مجید میں استعمال کیا۔

بیوی کا پہلا مطالبہ:

اس لیے اہل خانہ کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خاوندوں کو کہیں کہ کوئی کام شریعت کے خلاف نہیں کرنا۔ ہمارے اکابر کی زندگیوں میں یہ بات لکھی ہوئی ملتی ہے کہ جب کسی لڑکی کی شادی ہوتی تھی اور وہ خاوند کے پاس جاتی تھی، شروع میں خاوند بات چیت کی ابتدا کرتا تو وہ اس کی بات غور سے سنتی تھی، جب وہ بات کر لیتا تو بیوی کی طرف سے ہمیشہ ایک بات ہوتی تھی: ''میں آپ کے پاس آئی ہوں، اب آپ مجھے حلال کھلائیے گا، میں روکھی سوکھی کھا کر گزارا کر لوں گی، میں جہنم کی آگ میں نہیں جا سکتی۔'' وہ دلہنیں اپنے خاوندوں سے پہلی رات یہ مطالبہ کرتی تھیں کہ خدا کے لیے گھر میں حرام پیسہ نہ لانا۔ نہ میں حرام کھانا چاہتی ہوں، نہ اپنی اولاد کو آئندہ کھلانا چاہتی ہوں۔ تو وہ عورتیں بھی ایسی تھیں۔

چنانچہ ہمیں چاہیے کہ ہم اس اینگل پر دیکھیں کہ کہیں ہم اہلِ خانہ کی وجہ سے، مال کاروبار کی وجہ سے، نوکری کی وجہ سے، اپنے رب کو ناراض تو نہیں کر رہے۔ تو یہ پہلا غم ہے جو مومن کے دل میں ہوتا ہے۔

دوسرا غم

دنیا، آخرت سے غافل نہ کر دے

دوسری بات کہ دنیا، آخرت سے غافل نہ کر دے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَ مَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ (آل عمران: ۱۸۵)

''یہ دنیا کی زندگی دھوکہ کا گھر ہے''

اور واقعی دنیا کی چمک دمک انسان کو اپنے اندر اتنا متوجہ کر لیتی ہے کہ آخرت کی تیاری کے لیے فرصت ہی نہیں ملتی۔ کتنے لوگ ہیں کاروبار میں تو بہت تیز سمجھ دار ہوتے ہیں، پانچ وقت کی نماز کی پابندی نہیں ہوتی۔ ان سے اگر پوچھیں: جی آپ مسجد میں کیوں نہیں آتے؟ جواب ملے گا: کیا کریں؟ بس کاروبار میں مصروفیت اتنی ہوتی ہے ٹائم ہی نہیں ملتا۔

دنیا جادوگرنی ہے:

اس لیے حدیث میں فرمایا گیا:

﴿اِحْذَرُوا الدُّنْیَا فَاِنَّهَا اَسْحَرُ مِنْ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ﴾

(احیاء علوم الدین: ۴/۳۶۳)

''دنیا سے بچو، اس لیے کہ یہ ہاروت اور ماروت سے زیادہ جادوگرنی ہے''

اور مفسرین نے لکھا:

فَالدُّنْیَا سَحَّارَةٌ غَرَّارَةٌ وَلَا شَكَّ اَنَّهَا تُفَرِّقُ بَیْنَ الْاَحْبَابِ وَ بَیْنَ الْعَشَائِرِ وَالْاَصْحَابِ (البحر المدید: ۱/۱۴۰)

''دنیا جادوگرنی اور دھوکہ دینے والی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگوں کے درمیان تفرقہ ڈالتی ہے''

چنانچہ ہاروت اور ماروت جو جادو لائے تھے، قرآن مجید میں اس کا تذکرہ ہے۔ مفسرین نے لکھا کہ وہ جادو ایسا جادو تھا جو میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتا تھا۔ یہ دنیا اس سے بڑی جادوگرنی ہوئی کہ یہ بندے اور اس کے

پروردگار کے درمیان جدائی ڈال دیتی ہے۔ چنانچہ ہر چیز کا نعم البدل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا بدل کوئی نہیں ہوسکتا۔ جو اللہ سے جدا ہو گیا، اب اس کے لیے کوئی بدل نہیں۔ یہ دنیا تو ایسی ہے۔

دنیا بڑی میٹھی ہے:

اس لیے حدیث پاک میں فرمایا:

((اِنَّ الدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ)) (صحیح ابن حبان، حدیث: ۴۵۱۲)

''یہ دنیا بڑی سرسبز ہے اور بڑی میٹھی ہے۔''

عام طور پر جب انسان اپنی پسند کی آئس کریم کھائے، مجھے ونیلا چاہیے، اور مجھے فلاں چاہیے۔ تو پھر ایک کپ کھانے پر جی نہیں بھرتا۔ یہ اور بات ہے کہ انسان سوچے بھئی! زیادہ کھالی تو گلا نہ خراب ہو جائے، موٹا نہ ہو جاؤں، مگر طبیعت نہیں بھرتی، طبیعت چاہتی ہے کہ ابھی اور کھائی جائے۔ تو فرمایا کہ دنیا میٹھی ہے، جتنی ملتی جائے بندے کا دل اور کو کرتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر کسی آدمی کو مال سے بھری دو وادیاں مل جائیں تو وہ پھر بھی تیسری کی تمنا کرے گا، اس لیے انسان کے پیٹ کو قبر کی مٹی بھرتی ہے، دنیا سے کبھی انسان کا پیٹ نہیں بھرتا۔'' (بخاری، حدیث: ۶۴۳۶)

آپ غور کریں! ایک بندہ دکان دار ہے، اس کا اپنا کوئی جنرل اسٹور ہے۔ اس سے آپ کہیں کہ بھئی! مسجد میں آیا کریں، قرآن کا درس ہوتا ہے، حدیث کا درس ہوتا ہے، وہ سنا کریں۔ وہ کہے گا: جی میرے پاس فرصت ہی نہیں ہوتی، ٹائم ہی نہیں ملتا۔ اب اگر اسی بندے کو کہا جائے کہ جناب! ہم آپ کو ایک اور اسٹور بنا کر دیتے ہیں، کیا آپ چلالیں گے؟ کہے گا: جی میں بالکل وقت نکال

لوں گا۔ بھئی! اگر دوسرا اسٹور چلانے کے لیے یہ وقت نکال سکتا ہے، تو مسجد میں آکر درس سننے کے لیے یہ وقت کیوں نہیں نکال سکتا؟ اس سے معلوم ہوا کہ ہم واقعی دنیا کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوتے ہیں۔ جب کہ ضروریات سے بہت زیادہ ہمارے پاس ہوتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم شریعت کی پابندی کریں، مگر ہم آخرت کی تیاری کو چھوڑتے ہیں اور دنیا ہی کے اوپر اتنا خوش ہو کر بیٹھتے ہیں کہ جیسے یہ ہمیشہ یہیں رہے گی۔ قرآن مجید میں اس لیے تو کہا کہ ایسے گھر بناتے ہیں: ﴿لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ﴾ کہ جیسے تم نے ہمیشہ ہمیشہ انہی گھروں میں رہنا ہے۔ حالانکہ یہ تو عارضی گھر ہیں، بالآخر دنیا سے انسان چلا جائے گا۔

پچاسی سالہ بوڑھے کی لمبی امیدیں:

ایک دفعہ ہماری ملاقات ایک بوڑھے سے ہوئی، جس کی عمر پچاسی سال تھی۔ تو اس کو اس عاجز نے کہہ دیا کہ جی اب تو آپ فارغ ہیں نماز کی پابندی کیا کریں۔ تو اس نے اپنے گھٹنے پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ پیر صاحب! دعا کریں، یہ گھٹنے کی درد ٹھیک ہو جائے تو میں نماز شروع کر دوں گا۔ کتنی عجیب بات ہے! یعنی پچاسی سال کی عمر میں بھی جو گھٹنے کی درد کے ٹھیک ہونے کے انتظار میں ہے کہ پھر میں نماز پڑھوں گا، اس کو دھوکہ نہ کہیں گے تو اور کیا کہیں گے؟

پوتے کی امامت میں نماز شروع کرنے کا عہد:

چنانچہ ایک مرتبہ ایک ریٹائرڈ بیوروکریٹ سے ملاقات ہوئی، وہ سیکرٹری لیول کے آدمی تھے۔ اس ملاقات میں اس عاجز نے کہا کہ اب تو آپ کی

ریٹائرمنٹ ہوگئی، تو آپ اب پانچ وقت کی نماز اور تلاوت وغیرہ کی پابندی کیا کریں۔ انہوں نے اپنے پوتے کو اٹھایا ہوا تھا، جو تقریباً ایک سال کا تھا، جواب میں کہنے لگے: پیر صاحب! میں نے اپنے دل میں ایک ارادہ کرلیا ہے، عہد کرلیا ہے۔ میں نے پوچھا: کیا عہد کیا ہے؟ کہنے لگے: عہد یہ کیا ہے کہ میں اپنے اس پوتے کو حافظ بناؤں گا، اور جس دن یہ امامت کروائے گا، میں پانچ وقت کی نماز اس دن سے شروع کردوں گا۔ میں اتنا حیران ہوا، اس کا چہرہ دیکھتا رہا کہ دنیا کے معاملے میں یہ سیکرٹری لیول کا آدمی ہے، اور دین کے معاملے میں اس کی ایسی مت ماری گئی! کیا اس کو یقین ہے کہ یہ بچہ جوان ہوگا؟ کیا اس کو یقین ہے کہ یہ بچہ حافظ بنے گا؟ کیا اس کو یہ اطلاع مل گئی کہ جب پہلی مرتبہ یہ قرآن سنانا شروع کرے گا، اس وقت تک خود سیکرٹری صاحب زندہ رہیں گے؟ تو دھوکہ اسی چیز کو تو کہتے ہیں۔

چہرے کی سنت حج پر موقوف:

کتنے دوست ہمیں ایسے بھی ملتے ہیں جو کہتے ہیں: میں نے نیت کرلی ہے، ان شاء اللہ حج پر جاؤں گا تو میں اس وقت سے چہرے پر سنت سجالوں گا۔ بھئی! حج پر جاؤ گے یا نہیں، کون جانتا ہے؟ اگر سنت سجانی ہے تو آج سے سجاؤ، مگر انسان کو یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ آج کے بجائے کل عمل کروں گا۔ تو یہ دنیا انسان کو آخرت سے غافل کردیتی ہے۔

مسکین بندہ:

چنانچہ ایک بزرگ فرماتے تھے:

مِسۡكِيۡنٌ اِبۡنُ آدَمَ لِبَاسُهٗ كَفَنٌ، مَرۡكَبُهٗ جَنَازَةٌ، وَلَدُهٗ يَتِيۡمٌ، مَنۡزِلُهٗ قَبۡرٌ، فِرَاشُهٗ تُرَابٌ، حَلَالُهَا حِسَابٌ، وَحَرَامُهَا عَذَابٌ

''اے ابن آدم! تو کتنا مسکین ہے کہ
جس کا لباس کفن ہے،
جس کی سواری جنازہ ہے،
جس کے بچے یتیم ہونے والے ہیں،
قبر اس کی منزل ہے،
جس کا بستر مٹی کا بنا ہوا ہے،
حلال ہوگا تو اس کا بھی حساب دینا پڑے گا،
حرام ہوگا تو پکا عذاب ہوگا۔'' اللہ اکبر کبیرا!

تیسرا غم

شیطان اعمال کو باطل نہ کردے

فرماتے تھے کہ مومن کو تیسرا غم یہ ہوتا ہے کہ شیطان اس کے اعمال کو باطل نہ کردے۔ چنانچہ یہ مستقل ایک فکر ہے کہ ہمارا پکا دشمن جس کا نام شیطان ہے، وہ ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں واضح لفظوں میں فرمایا:

﴿اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لَكُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡهُ عَدُوًّا﴾ (فاطر: ۶)
''شیطان تمہارا دشمن ہے، تم بھی اس کو دشمن ہی بنا کر رکھو''

چنانچہ یہ شیطان ہمارے پیچھے پڑا رہتا ہے اور ہمیں اعمال سے محروم کرتا

ہے۔اب ذرا غور کریں کہ یہ اعمال سے کیسے محروم کرتا ہے؟

شیطان کے تین حربے:

یہ بات بہت اچھی طرح ذہن میں بٹھالیں کہ شیطان کے تین حربے ہیں جن سے وہ انسان کو اعمال سے محروم کرتا ہے۔

پہلا حربہ......عمل کو مؤخر کروانا:

شیطان کا پہلا حربہ کہ نیکی کا کام فوراً نہیں کرنے دیتا، مؤخر کرواتا ہے، دیر کرواتا ہے، جتنی ہو سکے۔وہ نیک عمل کرنے کے بارے میں ذہن میں ڈالتا ہے کہ اچھا پھر کر لینا۔یہ نہیں کہ ابھی کرتا ہوں، بلکہ پھر کرلوں گا۔میں کل سے نمازی بن جاؤں گا۔بس میں جب نیا سال شروع ہو گا تو یہ کام شروع کروں گا۔جب حج کروں گا تو اس وقت سے میں توبہ کرلوں گا۔یہ جو ہے سَوْفَ اَفْعَلُ ''میں آئندہ کروں گا'' اس کے بارے میں فرمایا:

هَلَكَ الْمُسَوِّفُوْنَ (بریقة محمودیة: ۱۴۱/۴)

''کل کرنے والے ہلاک ہوں گے۔''

کون جانتا ہے کہ زندگی میں کل آئے گی یا نہیں۔تو سب سے پہلے تو وہ عمل کو مؤخر کرواتا ہے، اچھا کل سے یہ شروع کریں گے۔ آپ اگر غور کریں تو واقعی انسان ایسے ہی کرتا ہے۔کوئی بھی نیکی کا کام ہو، سوچتا ہے، اچھا کل سے شروع کریں گے۔چہرے پر سنت سجانی ہے......شادی کے بعد داڑھی رکھوں گا۔اور اگر نوجوان تیار بھی ہو جائے تو ماں باپ کہتے ہیں: اچھا! رکھنی ہے تو شادی کے بعد بیشک رکھ لینا۔یہ جو آئندہ کی بات آتی ہے، یہ سو فیصد شیطان کا حملہ ہوتا ہے۔اللہ کے راستے میں خرچ کرنا ہے، کہتے ہیں: اچھا! پہلی تاریخ پر ہم ان

شاء اللہ صدقہ دیں گے۔ یہ شیطان کا دھوکا ہوتا ہے۔

ایک بزرگ نہانے کے لیے بیت الخلاء میں گئے تو وہاں سے انہوں نے اپنی بیوی کو آواز دی۔ ابھی انہوں نے جسم سے پورے کپڑے نہیں اتارے ہوں گے۔ بیوی نے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ کہنے لگے: وہ جو میری فلاں قمیص ہے اس کی جیب میں اتنے پیسے ہیں، وہ اللہ کے راستے میں خرچ کر دو! میں نے صدقے کی نیت کر لی۔ بیوی نے صدقہ کر دیا۔ جب یہ نہا دھو کر آئے تو بیوی نے کہا کہ اتنی بھی کیا جلدی تھی کہ آپ نے غسل خانے سے ہی مجھے پکار کر کہا کہ اس کو صدقہ کر دو؟ فرمانے لگے: میرے دل میں نیت تو آ گئی تھی، بس مجھے یہ ڈر ہوا کہ غسل مکمل ہونے تک میری زندگی باقی ہے یا نہیں، میں نے کہا کہ میرے نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے، اسی لیے میں نے اپنے پیسے اسی وقت فقیر کے ہاتھ میں پہنچا دیے۔

تو ہمارے اکابر تو اس طرح فوراً نیکی کرتے تھے، لیکن ہم نیکی کے معاملے میں آج کل، آج کل کرتے رہتے ہیں جس وجہ سے کتنی ہی نیکیوں سے ہم محروم رہ جاتے ہیں۔

دوسرا حربہ...... عمل میں وسوسے ڈالنا:

پھر دوسری بات کہ اگر انسان اعمال کرنے لگ جائے تو شیطان اعمال کے دوران وسوسے ڈالتا ہے۔ اور انسان کو Concentration (یکسوئی) سے عمل نہیں کرنے دیتا۔ اس کو پتہ ہے کہ اگر اس نے یکسوئی کے ساتھ نماز پڑھ لی تو اس کو تو بہت زیادہ ثواب ملے گا، اس پر تو سونے کا بھاؤ لگ جائے گا۔ لہٰذا اس کے دل میں وسوسے ڈالو، تاکہ نہ اس کی توجہ رہے اور نہ اس کی نماز قیمتی بنے، اور اس

کی نماز کے اوپر لوہے کا بھاؤ لگے۔ اور کئی مرتبہ تو اتنے شیطانی وسوسے آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مٹی کے بھاؤ بھی نماز قبول نہیں کرتے۔

اسی طرح کئی دفعہ بندہ تلاوت کرنے بیٹھتا ہے تو شیطانی وساوس کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ آگے پیچھے کوئی ایسی مشکل نہیں ہوتی، جب تلاوت کرنے بیٹھو، یہ بچوں کو بھی بہکائے گا، اور اس وقت خاوند کا بھی فون آجائے گا اور سہیلیوں کے بھی اسی وقت فون آجائیں گے، دنیا کے سارے کام اسی وقت آجاتے ہیں۔ یہ کیا ہوتا ہے؟ اصل میں شیطان لوگوں کے ذہنوں میں بات ڈال رہا ہوتا ہے اور اس کی توجہ ہٹا رہا ہوتا ہے، تاکہ یہ یکسوئی سے قرآن مجید کی تلاوت نہ کر سکے۔

تیسرا حربہ...... عمل کو ضائع کروانا:

اگر بندہ صحیح عمل کر بھی لے تو شیطان پھر بھی پیچھے نہیں ہٹتا۔ اب شیطان تیسرا حملہ یہ کرتا ہے کہ کیے ہوئے عمل کو ضائع کرواتا ہے۔ کیے ہوئے عمل کیسے ضائع ہوتے ہیں؟

...... کیے ہوئے عمل حسد کی وجہ سے ضائع ہو جاتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اَلْحَسَدُ یَأْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَأْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ))

(مسند ابی یعلی، حدیث: ۳۶۵۶)

"جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے حسد انسان کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے"

اب بتائیں کہ حسد دل میں آگیا تو کی ہوئی نیکیاں ضائع کروا دیں۔

...... یا کوئی شرکیہ عمل یا بات کروا دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿لَیَحْبَطَنَّ

عَمَلُكَ﴾ (الزمر: ٦٥) کوئی بھی شرکیہ کام کرنے سے پچھلے ساری زندگی کے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔

......اسی طرح کسی کی غیبت کروادی۔غیبت کرنے سے اس بندے کے نیک عمل کسی اور کو دے دیے جاتے ہیں، گویا یہ عمل سے محروم ہو گیا۔

اب بتائیں! ہمارے دل میں کتنوں کے بارے میں حسد ہے......کتنوں کے بارے میں کینہ ہے......کتنوں کی ہم غیبت کرتے ہیں......اور کتنی باتیں ایسی کر جاتے ہیں جو شرکیہ ہوتی ہیں، تو عمل کہاں بچے؟ تو مختلف طریقوں سے شیطان انسان کے عملوں کو ضائع کروادیتا ہے، اور قیامت کے دن انسان اس حال میں اٹھے گا کہ اس کے پاس ایک نیکی بھی نہیں ہوگی۔

چوتھا غم

کراماً کاتبین نافرمانی نہ لکھ لیں

چوتھا غم یہ ہوتا ہے کہ کہیں کراماً کاتبین نافرمانی نہ لکھ لیں۔ چنانچہ اہل اللہ کے دل میں ہر وقت یہ فکر ہوتی ہے کہ کوئی عمل ہم سے ایسا نہ ہو جائے کہ فرشتہ ہمارا گناہ نامۂ اعمال کے اندر لکھ دے۔ فرمایا:

﴿وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝﴾ (سورۃ الانفطار)

”حالانکہ تم پر کچھ نگراں فرشتے (مقرر) ہیں۔ وہ معزز لکھنے والے۔ جو تمہارے سارے کاموں کو جانتے ہیں۔“

خوش نصیب لوگ:

اللہ والے کراما کاتبین کو گناہ لکھنے کا موقعہ ہی نہیں دیتے۔ چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس امت میں کئی ایسے بھی بزرگ گزرے ہیں کہ بیس بیس سال تک گناہ لکھنے والے فرشتوں کو ان کے نامہ اعمال میں گناہ لکھنے کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ ایسی پاک صاف زندگی تھی۔ سبحان اللہ! یہ کیسے خوش نصیب لوگ تھے!

گناہوں سے پاک نامہ اعمال کے لیے دو صفات:

اس کا کیا مطلب؟ کیا وہ فرشتے بن گئے تھے کہ گناہ ہوتا ہی نہیں تھا؟ نہیں! وہ انسان ہی تھے، ہاں! ان کے اندر دو صفتیں تھیں۔ پہلی صفت کہ وہ عام طور پر گناہوں سے بچتے تھے۔ اور دوسری صفت کہ اگر بالفرض کوئی گناہ سرزد بھی ہو جاتا تھا تو وہ توبہ میں دیر نہیں کرتے تھے، فوراً توبہ کرتے تھے، تاکہ گناہ لکھنے والے فرشتے کے لکھنے سے پہلے وہ گناہ معاف ہو جائے۔

اب ہم کوتاہی یہ کرتے ہیں کہ اول تو گناہ کر لیتے ہیں اور دوسرا توبہ میں دیر کر دیتے ہیں۔ حالانکہ گناہ لکھنے والا فرشتہ دوپہر تک انتظار کرتا ہے۔ یعنی گناہ کرنے کے بعد چھ سے آٹھ گھنٹے تک گناہ نہیں لکھتا۔ اگر اس دوران اس نے توبہ کر لی تو لکھتا ہی نہیں، اگر توبہ نہ کی تو پھر لکھ لیتا ہے۔ اب ہماری غفلت کی انتہا دیکھو کہ ایک تو گناہ کر لیا اور دوسرا فرشتے کو لکھنے کا موقعہ بھی دے دیا۔ تو ہم نے ایک نہیں دو کوتاہیاں کیں۔

آیاتِ قرآنی سے کلام:

عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عورت کا قصہ بیان فرمایا۔ اَلْمَرْأَةُ الْمُتَكَلِّمَةُ بِالْقُرْآنِ کہ ایک عورت جو ہر بات قرآن سے کرتی تھی۔ ایک عورت ان کو ملی جو ہر بات کا جواب قرآن مجید کی آیت سے دیتی تھی۔ جتنی باتیں انہوں نے اس سے کیں، اس نے ہر بات کے جواب میں قرآن کی آیت پڑھی۔ پھر انہوں نے اس کے بیٹے سے پوچھا کہ تمہاری والدہ کا کیا معاملہ ہے؟ وہ کہنے لگا کہ میری والدہ قرآن کی حافظہ ہیں، حدیث کی عالمہ ہیں، ان کے دل میں قیامت کے دن کا اتنا خوف ہے کہ پچھلے بیس سال سے قرآن کے الفاظ کے سوا کوئی لفظ ان کے منہ سے نہیں نکلا کہ کہیں قیامت کے دن مجھے اللہ کے سامنے جواب نہ دینا پڑ جائے۔ (المستطرف فی کل فن مستطرف: ۵۶،۵۷/۱ بحوالہ تراشے: ص ۴۳)

ہماری کوتاہی:

اب سوچیں کہ اگر ایسی عورتیں قیامت کے دن کھڑی ہوں گی کہ بیس بیس سال تک قرآن کے سوا کوئی لفظ جن کی زبان سے نہیں نکلا، وہاں ہم بھی کھڑے ہوں گے، ہر وقت ٹرٹر کرنے والے۔ اس کی بات چلی تو کمنٹس کھڑکا دیے، اس کی بات ہوئی تو دو باتیں بول دیں، پھر بتائیں! قیامت کے دن ہمارا کیا بنے گا؟ آج تو کسی کو برا کہہ دینا آسان ہے، جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کھڑا کر کے پوچھیں گے: بتاؤ! تم نے فلاں کو ذلیل کیوں کہا تھا؟ بتاؤ! تم نے فلاں کو کمینہ کیوں کہا تھا؟ بتاؤ! تم نے فلاں کو بے ایمان کیوں کہا تھا؟ یہ ثابت کرو۔

بتائیں! اس وقت ہمارا کیا حال ہوگا؟ جب کہ اس دن انبیاء بھی تھراتے ہوں گے۔

تو واقعی ہم اس سلسلے میں بہت کوتاہی کرتے ہیں کہ ہم گناہ بھی کر بیٹھتے ہیں اور کراماً کاتبین کو لکھنے کا موقعہ بھی دے دیتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اوّل اللہ سے حفاظت مانگیں کہ ہم گناہ ہی نہ کریں اور دوسرا اگر گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَي اللهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ ﴾(النساء:١٧)

جہالت کی وجہ سے وہ ایسا عمل کر تو بیٹھتے ہیں، مگر فوراً توبہ کر کے اپنے اللہ کو منا لیتے ہیں۔

پانچواں غم

موت غفلت میں نہ آجائے

پانچواں غم جو مومن کو اس دنیا میں ہوتا ہے، وہ یہ کہ ملک الموت کہیں غفلت میں نہ پکڑ لے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم غافل ہوں اور اچانک ملک الموت ہماری روح نکالنے کے لیے آجائے۔ چنانچہ ہمارے اکابر ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہتے تھے۔ فرماتے تھے:

''جو دم غافل سو دم کافر''

جو سانس غفلت میں گزر گیا گویا کہ وہ سانس کفر کی حالت میں گزر گیا۔

تو ایک لمحہ بھی انسان اللہ سے غافل نہ ہو۔ کتنے لوگ ہوتے ہیں کہ جن کو

اچانک موت آجاتی ہے۔انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوتا کہ ہمیں اتنی جلدی موت آجائے گی،لیکن اللہ کی طرف سے لکھا ہوا ہی ایسے ہوتا ہے۔آج غور کریں! ایکسیڈنٹ میں کتنے لوگ مرجاتے ہیں، کتنے لوگ ہیں کہ ہارٹ اٹیک ہوا اور اسی وقت فوت ہو گئے، برین ہیمبرج ہوا اور کومہ میں چلے گئے،توبہ کی فرصت ہی نہیں ملی۔موت کب آنی ہے یہ انسان نہیں جانتا۔

موت کا وقت متعین ہے:

کراچی میں ایک آدمی پانچویں منزل پر بجلی کی تار کا کام کر رہا تھا۔پاؤں جو پھسلا تو وہ پانچویں منزل سے نیچے زمین پر آ گرا،مگر اللہ کی شان دیکھیں! نہ اس کو زخم آیا، نہ اس کی ہڈی ٹوٹی ، نہ کوئی اور ایسا مسئلہ ہوا۔ایسے لگتا تھا کہ جیسے کسی نے اس کو ہاتھوں پر لے کر زمین پر لٹا دیا۔اب وہ بڑا خوش، گھر والے بھی بڑے خوش،لوگ آکر مبارکباد دینے لگے۔دو دن گزرے کہ اس کے دو دوست اس سے ملاقات کرنے کے لیے آئے ،انہوں نے بھی مبارکباد دی اور کہا کہ یار! تمہیں اللہ نے نئی زندگی دی ہے، چلو مٹھائی تو کھلاؤ۔وہ کہنے لگا: میرے گھر کے سامنے ایک سویٹس شاپ ہے، میں ابھی آپ کے لیے وہاں سے تازہ مٹھائی لے کر آتا ہوں۔یہ کہہ کر وہ اپنے ڈرائنگ روم سے گھر آیا، تاکہ پیسے لے اور دکان پر جائے ،تو گھر میں فرش تازہ تازہ دھویا ہوا تھا، جونہی اس نے باہر نکل کر پاؤں رکھا ،اس کا پاؤں پھسلا ،سر کے بل گرا ،اور وہیں اس کی موت آ گئی۔واہ اللہ تیری قدرت! پانچویں منزل سے زمین پر گرتا ہے، چونکہ وقت نہیں آیا،محفوظ رہتا ہے، اور جب وقت آ گیا تو گیلے فرش کے اوپر پاؤں پھسلتا ہے اور موت آجاتی ہے۔تو کس کو پتہ کہ موت کا وقت کب ہے؟ اس لیے ہر وقت انسان موت کے لیے تیار

رہے۔

جان کیسے نکلے گی؟

کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ عطر کا کام کرتے تھے۔ نو جوان تھے اور غفلت کی زندگی تھی، جیسے عام لوگوں کی ہوتی ہے۔ایک دن بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بوڑھا آیا اور آ کر ان کی عطر کی شیشیوں کو غور سے دیکھنے لگا۔ انہوں نے اس سے پوچھا: بابا! کیا دیکھتے ہو؟ اس نے کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری جان اتنی شیشیوں میں اٹکی ہوئی ہے، یہ جان کیسے نکلے گی؟ ان کو غصہ آیا، کہنے لگے: جیسی آپ کی نکلے گی ویسے میری نکلے گی۔ جب یہ کہا تو بوڑھا وہیں زمین پر لیٹ گیا، چادر اس کے پاس تھی، وہ اوڑھ لی اور کہا: میری تو یوں نکلے گی۔ ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' کلمہ پڑھا۔ جب انہوں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو وہ فوت ہو چکا تھا۔ (حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات: ص ۶۳) یہ واقعہ تھا جس پر انہوں نے توبہ کی اور نیک بنے اور پھر انہوں نے ''تذکرۃ الاولیاء'' جیسی مقبول کتاب لکھی۔

موت کے لمحات، یادِ الٰہی کے ساتھ:

چنانچہ ایک بزرگ تھے، ان کی کچھ کیفیت آخری آخری لمحات والی تھی اور وہ چارپائی پر اللہ سے لو لگائے لیٹے ہوئے تھے۔ان کی ایک چھوٹی سی بیٹی تھی، کوئی اڑھائی تین سال کی ہوگی۔ وہ اپنے باپ سے بہت محبت کرتی تھی، کمرے میں آئی اور ابو سے کہنے لگی: ابو! آپ آنکھیں کھولیں! آپ جاگیں! آپ میرے ساتھ کھیلیں! مگر وہ تو خاموش اسی طرح لیٹے رہے۔انہوں نے کوئی

Responce (توجہ) نہ دیا۔اب اس پر وہ چھوٹی سی بچی روٹھ گئی۔اچھا! میں آپ سے نہیں بولتی، اور دوسرے کمرے میں جا کر رونا شروع کر دیا۔ماں نے دیکھا تو پوچھا: بیٹی کیوں روتی ہو؟ اس نے کہا: ابو مجھ سے نہیں بولتے، میں ابو سے نہیں بولتی، میں نے کٹی کر دی۔تو ماں اس کو اٹھا کر لے آئی اور اپنے میاں سے کہنے لگی: دیکھیے نا! یہ حفصہ آپ سے ناراض ہوگئی، آپ کیوں نہیں آنکھیں کھولتے؟ کیوں نہیں اس سے بات کرتے؟ جب بیوی نے یہ کہا تو خاوند نے آنکھ کھولی اور فرمایا: کون سی حفصہ اور کیسی حفصہ؟ ہم نے تو اپنے یار کو منا لیا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور ان کی وفات ہوگئی۔جنہوں نے محنتیں کی ہوتی ہیں، موت کے وقت وہ مخلوق کو کیا پہچانیں؟ پھر تو وہ موت کے وقت یہی کہیں گے: کون سی حفصہ اور کیسی حفصہ؟ ہم نے تو اپنے یار کو منا لیا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔تو انسان ایسی زندگی گزارے کہ موت کے وقت ایمان کے ساتھ جانے کی سعادت نصیب ہو جائے۔

خاتمہ بالایمان کے لیے دو عمل:

① مسواک کی پابندی:

اب اس کا ایک حل سن لیجیے! وضو کرنے سے پہلے مسواک کرنا سنت مبارکہ ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو بندہ مسواک کی پابندی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ آخری وقت میں اس کو دو انعام دیتے ہیں۔پہلا انعام: ملک الموت آتے ہیں اور شیطان کو مار کر اس بندے سے دور بھگا دیتے ہیں کہ یہ آخری وقت میں کہیں خلل نہ ڈال دے۔اور دوسرا: اس بندے کو بتا دیتے ہیں کہ تمہاری روح قبض کرنے کے لیے آیا ہوں، تا کہ وہ کلمہ پڑھ سکے۔اب بتائیں کہ مسواک کی سنت

پہ پابندی کرنے پر کتنا بڑا انعام ملا! ایک تو بد بخت شیطان کو بھگا دیا گیا اور دوسرا کلمہ یاد دلا دیا گیا۔ کاش کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کلمے کے ساتھ اس دنیا سے جانے کی توفیق عطا فرمائے۔

② اللہ والوں کی صحبت:

اور دوسرا حل: ہمارے بزرگوں نے لکھا ہے کہ جو اللہ والوں کی صحبت میں رہتا ہے، ان سے تعلق جوڑتا ہے، تو فرمایا:

لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ

ان کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوتا۔

اور محدثین نے لکھا کہ بد بخت وہ ہوتا ہے جو آخری وقت میں ایمان سے محروم ہو جائے۔ آگے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مزید فرمایا کہ اللہ والوں کے ساتھ تعلق رکھنے والا بد بخت نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ کہ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ آخری وقت میں کلمے کی توفیق فرما دیتے ہیں۔

چھٹا غم

اللہ کی خفیہ تدبیر کا ڈر

چھٹا غم جو مومن کو اس دنیا میں ہوتا ہے وہ یہ کہ کہیں کسی عمل پر اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر انسان کو ایمان سے محروم نہ کر دے۔ اللہ اکبر!

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (القلم: ۴۴)

بعض دفعہ لوگ اگرچہ نیکیاں بھی کر رہے ہوتے ہیں، ہم ان کو آہستہ آہستہ، درجہ بدرجہ اس طرح نیچے اتارتے ہیں کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلتا اور وہ نیکیوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسا غم ہے جو ہر مومن کے دل میں ہوتا ہے۔ اسی لیے آخری لمحے تک بندہ اپنے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ڈر:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا آخری وقت تھا تو آپ فرماتے تھے: لَا... پھر کہا: لَا... پھر کہا: لَا، موجود لوگوں نے پوچھا کہ حضرت! پورا کلمہ کیوں نہیں پڑھ رہے تھے؟ صرف ''لَا... لَا'' پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ اس وقت شیطان میرے سامنے آیا اور کہنے لگا: احمد بن حنبل! تو ایمان بچا کر دنیا سے چلا گیا۔ میں اس کو کہہ رہا تھا: لَا... کہ او بدبخت! ابھی نہیں، جب تک میری آخری سانس ختم نہیں ہو جاتی، میں تیرے فتنے سے امن میں نہیں ہوں۔ اتنا ڈرتے تھے کہ کہیں ایمان سے ہم محروم نہ ہو جائیں، آخری وقت میں کہیں ہم سے ایمان چھین نہ لیا جائے۔

ایمان کی فکر کرنے کی ضرورت:

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قربِ قیامت میں ایک زمانہ آئے گا کہ آدمی:

((يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَّيُمْسِيْ كَافِرًا)) (مسند ابی یعلی، حدیث: ۴۲۶۰)

''صبح اٹھے گا ایمان والا ہوگا، رات سونے کے لیے بستر پر جائے گا ایمان سے خالی ہوگا۔''

اللہ اکبر کبیرا! اللہ کے نیک بندے اپنے انوار و برکات کے ساتھ جس تیزی سے اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں، یہ دنیا اپنے انجام کو پہنچنا چاہتی ہے۔ جن کے دلوں میں احد پہاڑ کے برابر ایمان ہے، وہ اتنے متفکر ہیں کہ جیسے ہر لمحے اپنے مرتد ہونے کا خوف ہو۔ ایسے حال میں ہم جیسے لوگ غفلتوں کی زندگی گزار رہے ہیں، دنیا کی عیش آرام میں پڑے ہوئے ہیں، جیسے ہمیں تو موت آنی ہی نہیں۔ یہ کتنی بڑی غفلت ہے! اللہ تعالیٰ ہمیں اس دنیا کی حقیقت سمجھنے کی توفیق دے، کہیں ہم بھی دھوکہ کھانے والے نہ بن جائیں اور آخرت کی تیاری سے غفلت برتنے والے نہ بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دنیا کی امتحان گاہ میں تیاری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہمیں کامیاب فرمائے۔ اس دن اعلان ہو جائے: فلاں بندہ کامیاب ہو گیا۔ آواز دی جائے گی، فرشتے کہیں گے: فلاں کا بیٹا فلاں کامیاب ہو گیا۔ سعید ہوں گے وہ لوگ، جو بخشے جائیں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے اور دنیا اور دنیا کے ہر قسم کے فتنوں سے اللہ ہمیں محفوظ فرمائے۔ (آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

(النحل: ۹۷)

ترتیب خداوندی

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدة السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
تاریخ: 9 دسمبر 2012ء بروز اتوار، ۲۵ محرم ۱۴۳۴ھ
آن لائن بیان

ترتیبِ خداوندی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○
﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَاکَانُوْا یَعْمَلُوْنَ○﴾
(النحل: ۹۷)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ○
وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

کامیاب زندگی کا قرآنی اصول:

قرآنِ مجید فرقان حمید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ صداقتوں سے بھری ہوئی کتاب، سچائیوں سے بھری ہوئی کتاب، Ultimate Realities of the universe. (کائنات کی صداقتوں) کو اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں اکٹھا کر دیا۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی﴾
''جو کوئی بھی نیک اعمال کرے اور وہ ایمان والا ہو''
﴿فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً﴾ (النحل: ۹۷)

''ہم اسے ضرور بالضرور پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔''

یہ ایک اللہ کا بتایا ہوا قانون ہے، اگر ہم کامیاب زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو زندگی میں نیک اعمال کو لانا ہوگا۔

زندگی میں پریشانی کیوں؟

آج اگر آپ حالات کو دیکھیں تو ہر انسان اسی کوشش میں ہے کہ میری زندگی سنور جائے، اسی لیے وہ بزنس پر توجہ دیتا ہے، انڈسٹری چلاتا ہے، جاب پر محنت کرتا ہے کہ میرے حالات بہتر ہو جائیں، میری زندگی سنور جائے، لیکن اس کو اپنی روزی کے سلسلے میں پریشانی، گھر بار میں بھی پریشانی، اولاد کی طرف سے بھی پریشانی، دوست احباب کی طرف سے بھی پریشانی، ہر طرف سے پریشانی نظر آتی ہے۔ روزانہ وہ اس نیت سے گھر سے چلتا ہے کہ میں اپنے قرضوں کو اتار دوں گا، اور میں اپنے Objective (مقاصد) کو حاصل کرلوں گا، مگر اس کے باوجود اس کے مقاصد پورے نہیں ہوتے، تو سوچنے کی بات ہے کہ آخر اس میں رکاوٹ کہاں ہے؟

ہر چیز کی ترتیب مقرر ہے:

ایک اصول کی بات یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ چیزوں کی ایک ترتیب ہے۔ مثال کے طور پر: ایک بیج جب زمین میں ڈالا جاتا ہے تو وہ پہلے ایک چھوٹا سا پودا ہوتا ہے، جس کو Seedling کہتے ہیں۔ پھر وہ بڑا ہوتا ہے، حتیٰ کہ اس کے اوپر پتے آتے ہیں، پھر اس کے اوپر پھول آتے ہیں اور وہ پھول آخر میں پھل بن جاتے ہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ بیج ڈالا جائے اور اس کے اوپر

صرف پھل لگے، پھل کے لیے اس پوری ترتیب میں سے گزرنا پڑے گا۔ پہلے پودا بنے گا، پھر درخت بنے گا، پتے آئیں گے، پھول آئیں گے اور بالآخر وہ پھول پھل بنے گا۔ تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ایک قانون ہے۔

مثال کے طور پر: اگر کوئی شخص چاہے کہ میرے ہاں اولاد ہو، تو اس کے لیے اس کو نکاح کرنا پڑے گا۔ میاں بیوی اکٹھے رہیں گے تو پھر اللہ ان کو اولاد بھی عطا فرما دیں گے۔ ایک آدمی نے بیج زمین میں ڈالا نہیں اور وہ پھل کا منتظر رہے تو اس کو درخت کا پھل کیسے ملے گا؟ ایک آدمی نے نکاح تو کیا نہیں، اولاد کا منتظر ہے، تو اولاد کیسے ہوگی؟ اللہ کی بنائی ہوئی ترتیب کو انسان الٹ نہیں سکتا۔

خوشگوار زندگی کی ترتیبِ خداوندی:

اللہ رب العزت نے قرآن پاک کی اس آیت میں ایک ترتیب بتائی ہے۔ کہ جو آدمی ایمان والا ہو اور وہ نیک اعمال کرے، ہم اس کی زندگی کو پاکیزہ کر دیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خوشگوار زندگی کے لیے اعمال کو سنوارنا پڑے گا۔ تو اللہ رب العزت کے ہاں ترتیب یہ ہے کہ پہلے اعمال سنورتے ہیں، پھر انسان کے حالات سنورتے ہیں، لیکن اگر آپ غور کریں تو اکثر لوگ اس میں غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں، وہ یہ سوچتے ہیں کہ پہلے ہمارے حالات سنور جائیں، پھر ہم اعمال بھی سنوار لیں گے۔ کسی بندے سے پوچھیں کہ آپ مسجد نہیں آتے، جواب ملے گا: بزنس کے کچھ پرابلم ہیں، ذرا ٹھیک ہو گئے تو میں مسجد آؤں گا۔ یعنی ہم پہلے حالات ٹھیک کرنے کی شرط لگاتے ہیں، بعد میں اعمال کو ٹھیک کرتے ہیں۔ اور یہی ہماری کوتاہی ہے کہ ہم ترتیب کو الٹنا چاہتے ہیں، ہمیشہ پہلے اعمال سنوریں گے، پھر حالات سنوریں گے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ انسان جو اعمال کرتا ہے، فرشتے ان اعمال کو لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان اعمال کو دیکھ کر ان کے مطابق بندے پر حالات بھیجتے ہیں۔

جب کہا میں نے یا اللہ! تو میرا حال دیکھ
حکم آیا میرے بندے! نامہ اعمال دیکھ

انسان کے جیسے اعمال ہوں گے، ویسے اس کے حالات ہوں گے۔ اگر نیک اعمال ہیں تو اللہ تعالیٰ زندگی پرسکون کر دیں گے، اور اگر برے اعمال ہیں تو زندگی سکون سے خالی کر دیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ترتیب کو ہمیشہ فالو کرنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے بزرگوں نے چار باتیں بتائیں جو لوہے کی لکیر ہیں۔ کالنقش فی الحجر پتھر پر لکیر کے مانند ہیں۔

پہلی بات

اعمال سنوارنے سے حالات سنور جاتے ہیں

ان میں سے پہلی بات یہ ہے:

''جو انسان اپنے اعمال سنوارتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے حالات کو سنوار دیتے ہیں۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کی مثال:

اب اس کی مثال اگر آپ نے دیکھنی ہو تو قرآن مجید میں سورۂ یوسف کا مطالعہ کر لیجیے! حضرت یوسف علیہ السلام کی لڑکپن کی عمر ہے اور وہ اپنے گھر سے ہزار

میل سے بھی زیادہ دور کسی شہر میں پہنچے، جہاں انہیں بیچا گیا اور ایک غلام کی حیثیت سے وہ ایک محل میں خادم بنے۔ ایک ہوتا ہے نوکر، اس کی بھی کوئی حیثیت ہوتی ہے، اس لیے کہ اسے اس کی جاب کے پیچھے تنخواہ ملتی ہے۔ لیکن غلام تو محنت کر کے، خدمت کر کے، اجرت کا بھی حق دار نہیں ہوتا۔ تو وہ غلام تھے۔ اب سوچیے کہ نہ کوئی رشتہ دار پاس ہے، نہ مال ہے، نہ علم ہے، نہ اس وقت بدن میں طاقت پوری ہے، لڑکپن کی عمر ہے، سمجھ اتنی ہے نہیں، اور وہ ایسے حالات میں آ گئے کہ جہاں ایک گھر کے اندران کو کام کرنے ہیں۔ اب سوچیے کہ وہاں رہتے ہوئے انہوں نے اپنے والد کی دی ہوئی تعلیمات پر عمل کیا اور اسی حال میں ان کو جوانی آئی، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا﴾ (یوسف: ۲۲)

''جب وہ اپنی بھرپور جوانی کی عمر کو پہنچے تو ہم نے انہیں علم اور حکمت عطا فرمائی''

اب ان کو اللہ نے نور دیا تو انہوں نے اس نور پر عمل کیا۔ نتیجہ کیا نکلا کہ وقت کے ساتھ ساتھ ان پر ایک امتحان آیا جس میں وہ کامیاب ہوئے۔ اور کامیاب ہونے کے بعد پھر ان پر مزید امتحان آیا کہ ان کو جیل بھیج دیا گیا۔ وہ نو سال جیل میں رہے، اس دوران وہاں کے بادشاہ نے خواب دیکھا، جس کی تعبیر اس کے مصاحبین میں کسی کے پاس نہیں تھی۔ اس وقت کے جو امراء اور مشیر تھے ان کو وہ خواب سمجھ ہی نہیں آیا تو اس نے پھر اعلان کر دیا کہ بھئی! کوئی بندہ بتاؤ جو اس خواب کی تعبیر بتائے۔ تو اس طرح کسی نے اسے یوسف علیہ السلام کے بارے میں بتایا۔ اس نے آپ کو بلوایا، آپ نے تعبیر دی کہ سات سال کھیتی اچھی ہوگی اور

پھر سات سال قحط آئے گا۔ کھیتی کو بچا کر رکھنا کہ قحط کے زمانے میں لوگ بھوکے نہ مریں۔ اب یہ تعبیر اتنی اچھی تھی کہ بادشاہ کو پسند آئی اور پھر بادشاہ کے دل میں یوسف علیہ السلام کی ایک محبت آ گئی۔ وہ پہچان گیا تھا کہ قصور یوسف علیہ السلام کا نہیں تھا قصور میری بیوی کا ہے۔ اس لیے اس نے اپنی بیوی سے کہا:

﴿اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِيْنَ﴾ (یوسف: ۲۹)

''مجھے کرتوت یہ تیرا ہی نظر آتا ہے''

تو نے ہی اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ تو بادشاہ کے ذہن میں یہ آیا کہ یوسف علیہ السلام اتنے امین ہیں کہ باوجود اس کے کہ میری بیوی نے گناہ کی دعوت دی، اس نے میری عزت میں بددیانتی نہیں کی۔ تو اس کے ذہن میں خیال آیا کہ اب میں ملک کے خزانے بھی اس کے حوالے کر دوں، تو یہ میرے خزانے میں بھی بددیانتی نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس نے یوسف علیہ السلام کو جیل سے نکالا اور کہا:

﴿اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ﴾ (یوسف: ۵۴)

''آج سے ہمارے پاس تمہارا بڑا مرتبہ ہوگا اور تم پر پورا بھروسا کیا جائے گا''

سبحان اللہ! جو کل غلام تھے، مجرم بن کر جیل میں پڑے ہوئے تھے، آج حالات کی تبدیلی دیکھیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ خزانوں کا والی بنا دیتے ہیں۔ اور پھر کوئی اپوزیشن بھی نہیں، بادشاہ نے تسلیم کیا اور لوگوں نے بھی مانا کہ ہم تو آپ کو سمجھ ہی نہیں سکے تھے، اب جس نے اس خواب کو سمجھا وہی ہمیں اس آزمائش میں سے نکالے گا۔ متفقہ طور پر وہ وقت کے بادشاہ بن گئے۔ سبحان اللہ! نہ برادری

ہے، نہ دوست ہے، نہ مال ہے، نہ کچھ اور ہے، اللہ تعالیٰ بنا اسباب کے اعمال کے سنورنے پر ان کو وقت کا بادشاہ بنا دیتے ہیں۔تو دیکھا! جب اعمال سنوریں گے، اللہ تعالیٰ وہاں حالات کو خود سنواریں گے۔ یہ ایک تجربہ شدہ بات ہے۔

ترتیب الٹ نہیں سکتی:

اور اگر ہم چاہیں کہ اعمال تو ہم سنواریں نہیں، حالات سنور جائیں، ہم ٹکریں مارتے پھریں گے ہمارے حالات نہیں سنوریں گے۔کوئی بندہ چٹان سے اگر سر ٹکرائے تو چٹان کو کیا ہونا ہے، سر ہی پھوٹنا ہے۔ہم اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ترتیب کو کیسے الٹ سکتے ہیں؟ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔ اس لیے اس بات کو دل میں بٹھا لینا چاہیے کہ ہمیں پہلے اعمال سنوارنے ہیں، پھر ہمارے حالات خود بخود سنوریں گے۔ اللہ تعالیٰ مغیر الاحوال ہیں، وہ بندے کہ حالات سنوار دیں گے۔

دوسری بات

آخرت کو سنوارنے سے دنیا سنور جاتی ہے

دوسری بات کہ

"جو انسان اپنی آخرت سنوارتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کو سنوار دیتے ہیں۔"

یہاں بھی ہم غلطی کرتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ پہلے دنیا سنورے پھر ہم آخرت کو سنواریں گے، مگر اللہ نے جو ترتیب بنائی ہے وہ یہ ہے کہ جو بندہ اپنی آخرت کو سنوارتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کو سنوار دیتے ہیں۔ سبحان اللہ!

اکابر کی مثالیں:

اگر اس کی مثالیں دیکھنی ہیں تو ہمارے بزرگوں کی زندگیوں کو دیکھو۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے ۳۶۵ لباس:

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ایک فقیہ گزرے ہیں۔ ایک شخص ان کو ایک سال کے تین سو پینسٹھ جوڑے کپڑے کے بنا کر ہدیہ کرتا تھا۔ وہ روزانہ نیا سوٹ بدلتے تھے اور پرانا صدقہ کر دیتے تھے۔ اللہ نے ایک شخص کے دل میں ان کی ایسی محبت ڈال دی تھی۔ آج ہے کوئی ایسا نواب؟ ایسا امیر کہ جو سال میں تین سو پینسٹھ سوٹ بدلے؟ کوئی عورت ایسی ہے؟ نہیں۔ تو دیکھو! اللہ اپنے راستے پر محنت کرنے والے بندوں کے لیے دنیا اس طرح ان کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا بادشاہِ وقت پر اثر:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ صرف اپنی خانقاہ میں رہتے تھے، مگر ان کے اثرات وقت کے بادشاہ پر اتنے پڑے کہ بالآخر اس نے ان کے کہنے کے مطابق شرک کو ختم کیا، بدعات کو ختم کیا اور ہر جگہ دین کے احکام کو لازم کر دیا۔ اب دیکھیے! نہ سیاست ہے، نہ کسی سے ان کی لڑائی ہے، صرف ایک جگہ پر بیٹھ کر انہوں نے اللہ کو یاد کیا، دعائیں کیں، اللہ نے ان کی وجہ سے پورے ماحول کو بدل کر رکھ دیا۔ تبھی تو ان کو ''مجدد الف ثانی'' کہتے ہیں۔

قبر میں لیٹے شخص کی حکومت:

ایک انگریز انڈیا کی سیر کو آیا تو اجمیر بھی گیا۔ وہاں اس نے حضرت خواجہ

معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار دیکھا۔ جب واپس اپنے ملک میں گیا تو اس کی بیوی نے پوچھا کہ سناؤ! تم نے وہاں کیا کیا دیکھا؟ اس نے باقی چیزیں بھی بھی بتائیں اور ایک یہ بات بھی بتائی کہ میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا کہ ایک آدمی زمین کے اندر لیٹا ہوا ہے، مگر لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے۔ اس لیے کہ اجمیر شریف کے مزار پر مسلمان بھی جاتے ہیں، ہندو اور سکھ بھی جاتے ہیں۔ وہ حیران اس بات پر تھا کہ یہ بندہ تو قبر میں چلا گیا، لیکن آج بھی اس کی ایسی محبت لوگوں کے دلوں میں ہے کہ دن میں سینکڑوں نہیں ہزاروں لوگ وہاں آتے ہیں اور اپنے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ جو شخص اپنی آخرت کو سنوارتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کو سنوار دیتے ہیں۔

حقیقی بادشاہ کون؟

ہارون لرشید کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ کھڑکی سے دیکھ رہا تھا اور نیچے مسجد میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ آرہے تھے۔ تو دو طلبا ان کے پیچھے پیچھے آرہے تھے اور دونوں چاہتے تھے کہ ہم حضرت کے جوتے اٹھائیں۔ چنانچہ جب حضرت نے مسجد کے دروازے پر آکر جوتے اتارے تو ایک طالب علم نے ایک جوتے کو اٹھایا دوسرے نے دوسرے کو اٹھا لیا۔ اب وہ طلبا سمجھ دار تھے، چاہتے تھے کہ ہم جوتے اٹھائیں تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک نے رومال پھیلایا اور ایک نے ایک جوتا ڈالا، دوسرے نے دوسرا جوتا ڈالا، اور یوں ایک نے رومال ایک طرف سے پکڑ لیا، دوسرے نے رومال دوسری طرف سے پکڑ لیا اور یوں دونوں بیچ پیچھے پیچھے جوتوں کو لے کر مسجد کے اندر داخل ہوئے۔ ہارون الرشید نے ٹھنڈی سانس لی، بیوی نے پوچھا: کیا ہوا؟ اس نے کہا: یوں تو لوگ ہمیں بادشاہ

کہتے ہیں، لیکن ہمارے جوتے اٹھانے کے لیے بھلا کون ایسے کرتا ہے؟ تو جو اللہ کی رضا والی زندگی اختیار کرتا ہے، اپنی آخرت کو سنوارتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کو بھی سنوار دیتے ہیں۔

تیسری بات

اللہ سے تعلق سنوار لینے سے مخلوق سے تعلق سنور جاتا ہے

تیسری بات یہ کہ

"جو شخص اللہ سے اپنے تعلق کو سنوار لیتا ہے، اللہ تعالیٰ مخلوق سے اس کے تعلق کو سنوار دیتے ہیں۔"

آج ہم اس سے الٹی ترتیب پر عمل کرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ سب ہم سے راضی ہو جائیں اور اچھائیاں کر کر کے بھی کوئی راضی نہیں ہوتا۔ کسی سے ساس ناراض، کسی سے بہو ناراض، کسی سے ماں باپ ناراض، کسی سے بچے ناراض، کسی سے دوست ناراض۔ اور لوگ کہتے بھی ہیں کہ ہم دوسروں کے لیے اتنا کرتے ہیں اور لوگ پھر بھی ہماری بدخواہیاں کرتے ہیں۔ تو اصل راز یہ ہے کہ ہم نے اللہ سے اپنا تعلق نہیں سنوارا ہوتا، لہٰذا اللہ تعالیٰ مخلوق کے دل میں بھی ہماری بدگمانیاں ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ لوگ ہمارے بارے میں الٹی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ تو جو اللہ سے تعلق سنوارتا ہے، اللہ مخلوق کے تعلق کو خود سنوار دیتے ہیں۔

اس کی اگر مثال دیکھنی ہے تو نبی علیہ السلام کی مبارک زندگی کو دیکھیں کہ مکہ مکرمہ میں جب آپ تھے تو قریشِ مکہ جان کے دشمن تھے، لیکن آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور آٹھ سال کے بعد جب آپ مکہ میں فاتح مکہ بن کر داخل ہوئے تو

جتنے بڑے بڑے قریش تھے، سب آئے اور سب نے آ کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام قبول کیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ))

(مسند احمد، حدیث: ۴۵۸۳)

''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے بندے کی مدد کی اور سب دشمنوں کو اس اکیلے اللہ نے شکست دی''

ہندہ ایک عورت تھی۔ اس کے والد کو حمزہ رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں قتل کیا تھا۔ اس کو اس بات کا بے حد دکھ تھا اور وہ غیظ وغضب کے اندر جل بھن رہی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے غلام وحشی کو کہا تھا کہ اگر تم حمزہ کو شہید کر دو تو میں تمہیں آزاد بھی کر دوں گی اور پیسے بھی دوں گی۔ چنانچہ جنگ احد میں وحشی نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ جب اس عورت کو خبر ملی تو وہ اس قدر خوش تھی کہ وہ آئی اور اس نے غصے میں حمزہ رضی اللہ عنہ کا سینہ چیرا، کلیجہ نکالا، دل نکالا، پھیپھڑے نکالے اور ان چیزوں کو چبایا۔ اب آپ غور کریں کہ عورت ذات اگر جسم میں سے اگر یہ عضو کاٹ کر دانتوں سے چبا رہی ہے تو اس کے دل میں کتنا غصہ ہو گا؟ پھر اس نے جسم کے اندر کے جو اعضاء تھے ان کو دھاگے میں پرویا اور گلے میں ہار بنا کر پہنا۔ اس سے اس نے اپنا غصہ ٹھنڈا کیا۔ جس عورت کو اتنا غصہ تھا، آپ سوچیے کہ وہ کتنی بڑی دشمن ہو گی، اللہ اکبر! لیکن جب مکہ فتح ہوا تو وہ عورت جاتی ہے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتی ہے۔ اور پھر وہ یہ الفاظ کہتی ہے: ''اللہ کے حبیب! آج سے پہلے مجھے سب خیموں میں سے سب سے زیادہ نفرت آپ کے خیمے سے تھی، اور آج میں سب کے سامنے کہتی ہوں کہ سب خیموں میں سے سب سے زیادہ محبت آپ کے خیمہ سے ہے۔'' اللہ اکبر کبیرا! ایسے دشمنوں کے دل میں بھی اللہ

سے نے محبت ڈال دی۔ سبحان اللہ!

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نصیحت:

چنانچہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا کہ آپ ام المومنین ہیں، آپ مجھے نصیحت فرمائیں۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے انہیں ایک چھوٹا سا خط لکھا اور واقعی انہوں نے نصیحت کرنے کا حق ادا کر دیا۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی صحبت کا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے خط کا جواب یہ دیا:

''اگر آپ مخلوق کو راضی کرنے کے لیے اللہ کو ناراض کریں گے، تو اللہ مخلوق کے دل میں آپ کی نفرت ڈال دیں گے اور وہ آپ سے نفرت کرنے لگے گی۔ اور اگر آپ اللہ کو راضی کرنے کے لیے مخلوق کو ناراض کر بیٹھیں گے تو اللہ مخلوق کے دل میں تمہاری محبت بھر دیں گے، وہ آپ سے محبت کرنے لگ جائے گی۔'' (ترمذی، حدیث: ۲۴۱۴)

نافرمانی کا اثر:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب کبھی میری بیوی میرے ساتھ Orgument (تکرار) کرتی، تلخ کلامی کرتی تھی تو میں سمجھ جاتا تھا کہ یہ کسی گناہ کا وبال ہے، تو میں استغفار زیادہ کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ میری بیوی میرے ساتھ بہت خوش ہو جاتی تھی۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، میں نے دیکھا کہ اس دن یا تو میری بیوی نے نافرمانی کی، یا اولاد نے نافرمانی کی، یا میرے ماتحتوں نے نافرمانی کی، یا پھر میری سواری کے گھوڑے نے میری نافرمانی کی۔ یعنی جب بھی کوئی اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو کہیں نہ کہیں

اس کا ردِ عمل بندے کی طرف لوٹتا ہے اور بندے کو وبال دیکھنا پڑتا ہے۔

چنانچہ اللہ سے تعلق کو سنواریں گے تو اللہ تعالیٰ مخلوق سے تعلق کو خود بخود سنوار دیں گے۔

چوتھی بات

دن کے اعمال سنوارنے سے رات کے اعمال سنور جاتے ہیں

چوتھی بات یہ ہے:

''جو شخص دن کے اعمال کو سنوار لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے رات کے اعمال کو سنوار دیتے ہیں۔''

بہت سے لوگ یہ بات پوچھتے ہیں کہ ہماری فجر قضا ہو جاتی ہے، تہجد کی توفیق نہیں ملتی، تو بھئی! بات یہ ہے کہ جو شخص دن کے اعمال کو سنوار لے گا، اللہ تعالیٰ اس کے رات کے اعمال کو بھی سنوار دیں گے۔ ہم دن میں گناہ کرتے ہیں، حلال نہیں کھاتے، جھوٹ بولتے ہیں، غیبت کرتے ہیں، بد نظری کرتے ہیں، دوسروں کے دل دکھاتے ہیں۔ جب اس قسم کے گناہ کرتے ہیں، تو پھر رات کے اعمال کی توفیق کہاں ملے گی؟ لہٰذا جو بندہ چاہے کہ مجھے، تہجد کی پابندی نصیب ہو جائے، مجھے فجر کی تکبیر اولیٰ مل جائے، میری کوئی عبادت قضا نہ ہو، اس کو چاہیے کہ وہ دن میں اللہ رب العزت کی فرمانبرداری کرے، اللہ رات کے اعمال کی توفیق عطا فرما دیں گے۔

تو یہ چار باتیں اس لیے کہیں کہ ان کی ترتیب کو یاد رکھ لیں اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو بنا لیں، اللہ تعالیٰ اپنی بندگی کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿ وَعَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْـئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ۚ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْـئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ ﴾ (البقرۃ:۲۱۶)

اللہ کے ہر کام میں بہتری ہے

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: اکتوبر 2012ء ، ذی قعد ۱۴۳۳ھ

بمقام: ملائشیا

اللہ کے ہر کام میں بہتری ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ﴾ (البقرۃ:۲۱۶)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

بندگی کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کائنات کے خالق و مالک ہیں اور یہ کائنات اللہ کے حکم سے چل رہی ہے، حتیٰ کہ درخت سے کوئی پتہ اللہ کے حکم کے بغیر نہیں ہل سکتا۔ جو بھی ہو رہا ہے اس میں اللہ کی منشا شامل ہے۔ تو بندگی یہ ہے کہ انسان اپنے اللہ سے ہر حال میں راضی رہے۔ خوشی ہو تو بھی راضی...... غم ہو تو بھی راضی...... صحت میں بھی راضی...... بیماری میں بھی راضی...... ہر حال میں اللہ سے راضی رہنا چاہیے۔ دل میں یہ سوچیں کہ بس میں اپنے اللہ سے ہر حال میں راضی ہوں۔ ہم کئی مرتبہ معاملے کی حقیقت کو نہیں سمجھتے، اس لیے ہمارے دلوں میں اعتراض پیدا ہوتے ہیں، شکوے ہوتے ہیں، شکایتیں ہوتی ہیں: یہ نہ ہوا، وہ نہ ہوا، فلاں سے نہ ہوا۔

سب فضول باتیں ہیں۔ انسان اپنا ذہن یہ بنائے کہ اللہ کی طرف سے جو ہو رہا ہے، اللہ نے مجھے جس حال میں رکھا ہے، وہی میرے لیے بہتر ہے۔ ہم معاملے کی حقیقت کو نہیں سمجھتے، اس لیے طبیعت میں شکوے ہوتے ہیں، اعتراض ہوتے ہیں، اگر حقیقت کو سمجھ لیتے تو پھر یہ شکوے ختم ہو جاتے۔ تو جو بات یاد رکھنے کے قابل ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جو کرتے ہیں، اس میں خیر ہوتی ہے۔ تو ہم اللہ تعالیٰ سے راضی رہنا سیکھیں کہ اللہ! ہم آپ سے ہر حال میں راضی ہیں۔ یہی بندگی ہے۔

ہماری کوتاہی:

ہماری ایک عام کوتاہی یہ ہے کہ ہم اسی دنیا میں انجوائے کرنا چاہتے ہیں، اسی دنیا میں جنت کے مزے لینا چاہتے ہیں، اس سے بڑی کم عقلی اور کیا ہو سکتی ہے؟ اس لیے کہ کمرۂ امتحان اور جگہ ہوتی ہے اور رزلٹ نکلنے کے بعد انعام کی اور جگہ ہوتی ہے۔ ہم یہاں پر کمرۂ امتحان میں ہیں، لہٰذا زندگی کے جو لمحات ہیں بس ان کو اللہ کی یاد میں گزارنے کی ضرورت ہے، خوشی ہو تو شکر کی حالت ہو، اور غم ہو تو صبر کی کیفیت ہو۔ شکر کرنے والا بھی جنت میں جائے گا اور صبر کرنے والا بھی جنت میں جائے گا۔

سوچ کا انداز بدلنے کی ضرورت:

آپ ذرا یوں سوچیے کہ ماں اپنے بچے پر کتنی مہربان ہوتی ہے، وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے بچے کو کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتی، لیکن کچھ کام ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ماں کو کرنے ہی ہوتے ہیں۔ بچہ چاہتا ہے کہ میں آگ میں ہاتھ

ڈالوں، مگر ماں نہیں ڈالنے دیتی۔ بچہ روتا بھی ہے، چیختا بھی ہے، چلاتا بھی ہے، ماں اسے رونے دیتی ہے باوجود اپنی شفقتوں اور محبتوں کے، ماں سمجھتی ہے کہ آگ میں ہاتھ ڈال کر میرا یہ بیٹا بہت زیادہ دکھی ہو جائے گا اور بچہ اس چیز کو سمجھ نہیں رہا ہوتا۔ ہماری بھی یہی حالت ہے۔ ہماری خواہشات اس دنیا میں جو بھی ہوں، مگر اللہ سمجھتے ہیں کہ کس خواہش کا پورا ہونا بہتر ہے اور کس کا پورا ہونا بہتر نہیں ہے، لہٰذا ہمیں سوچ کا انداز بدلنے کی ضرورت ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر مایوس ہو کر بیٹھ جانا یا اللہ رب العزت کے انعامات کے ملنے پر غفلت میں چلے جانا، یہ انسان کی کم عقلی ہوتی ہے۔ ہم اپنے مقصدِ زندگی کو سامنے رکھیں اور کوشش کریں کہ ہم اپنے رب کو جتنا منا سکتے ہیں منائیں۔

اللہ بندے کی بہتری چاہتے ہیں:

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَعَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ۚ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ﴾

''ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ایک چیز کو تم پسند کرو اور اس میں تمہارے لیے شر ہو۔''

﴿وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ:۲۱۶)

''اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''

اب ہمیں کیا پتہ کہ ہم جو کرنا چاہتے تھے اور جس کے لیے ہم نے صبح بھی دعائیں مانگیں، شام بھی دعائیں مانگیں۔ نفل بھی پڑھے، تہجد میں بھی دعائیں مانگیں، وظیفے بھی کیے، وہ ہمارے لیے بہتر بھی تھا یا نہیں۔ جب وہ دعا پوری نہیں

ہوتی تو کئی دفعہ دیکھا کہ نمازیں ہی چھوڑ دیتے ہیں، دعائیں مانگنی چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری تو سنتا ہی نہیں۔ بھئی! اللہ تعالیٰ تو ہر ایک کی سنتا ہے، لیکن وہ پابند نہیں کہ ہماری زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ کو مانے۔ وہ اپنے بندوں کی خیر کو دیکھتا ہے، بہتری کو دیکھتا ہے، اور جس چیز کو چاہتا ہے وہ پورا کر دیتا ہے۔ اور اگر آزمائش میں ڈالنا چاہتا ہے تو پورا نہیں کرتا۔

میں آپ کو ایک دو واقعات سناتا ہوں، تاکہ بات ذرا واضح ہو جائے۔ لمبی بات نہیں کرنی، لیکن ایک بات ذہن میں بٹھانی ہے۔

ایک کمپنی ڈائریکٹر کا واقعہ:

ایک آدمی ایک شہر سے دوسرے شہر اہم میٹنگ کے لیے جانا چاہ رہا تھا۔ اور وہ ایسی میٹنگ تھی کہ جس میں فیکٹری کے مالک نے آرڈر دینا تھا۔ اس نے دو تین کمپنیوں کو بلایا کہ بھئی! آپ لوگ آؤ اور میں آپ سے Negosiate کر کے آرڈر فائنل کر لوں گا۔ آرڈر ملینز میں تھا تو ہر کمپنی والے چاہتے تھے کہ ہمیں آرڈر مل جائے۔ ایک بندہ اپنی کمپنی کا ڈائریکٹر تھا، اور وہ بھی مال سپلائی کرتی تھی۔ اس نے بھی ٹکٹ بنوائی کہ میٹنگ میں پہنچے، لیکن چونکہ ایمرجنسی میں ٹکٹ بنی تھی تو سیٹ نہیں تھی۔ اس نے کہا کہ چلیں کوئی بات نہیں، میں چانس کی ٹکٹ لیتا ہوں، امید ہے کہ میں چلا جاؤں گا۔ وہ ایئر پورٹ پر آ گیا تو اس کو پھر کاؤنٹر پر موجود اٹینڈنٹ نے کہا کہ بھائی! آج تو فلائیٹ فل ہے، چانسز کم ہیں۔ اس نے کہا: نہیں! نہیں! مجھے آج ضرور جانا ہے، میری تو بہت اہم میٹنگ ہے۔ اس نے کہا: انتظار کر لیں، کیونکہ آخر میں جا کر وہ چانس والے مسافروں کو لیتے ہیں۔ اللہ کی شان کہ اس سے پہلے بھی ایک دو چانس والے آئے ہوئے تھے، تو

سیٹ ان کو مل گئی، کیونکہ وہ پہلے رپورٹ کر چکے تھے۔ اب یہ بڑا خفا تھا، منیجر کو کہہ رہا ہے، اٹینڈنٹ کو کہہ رہا ہے، میرے ساتھ تو بہت برا ہوا، میرا تو اتنا نقصان ہو گیا، میرے تو پورے سال کی محنت ضائع ہو گئی، میری تو بڑی میٹنگ تھی، مجھے تو لازمی پہنچنا تھا، حتیٰ کہ بات کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ میرا تو اتنا بڑا نقصان ہے۔ انہوں نے کہا: بس اب تو سیٹیں پوری ہو چکیں، اب تو آپ آج نہیں جا سکتے۔ یہ بندہ دل میں یہ سوچتا رہا کہ میرے ساتھ بہت برا ہوا، واپس گھر آ گیا۔ جیسے ہی گھر میں پہنچا تو خبریں آ رہی تھیں کہ وہ فلائٹ جس میں وہ جانا چاہ رہا تھا لینڈ کرنے سے دو تین منٹ پہلے کریش کر گئی۔ جتنی سواریاں تھیں سب مر گئیں۔ جب اس نے وہ خبر سنی تو اب اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ میں نہیں گیا۔

اب ذرا غور کریں! جب معاملے کی حقیقت کا نہیں پتہ تھا رو رہا تھا، جھگڑا کر رہا تھا، اونچا بول رہا تھا، کہہ رہا تھا کہ مجھے لازماً جانا ہے۔ جب نہیں جا سکا تو سمجھتا ہے کہ میں تو تباہ ہو گیا، میرا تو بزنس ختم ہو گیا، لیکن جب اس کو حقیقت کا پتہ چلا کہ حقیقت کیا تھی، کہنے لگا: اللہ! تیرا شکر ہے کہ میں نہیں گیا۔

نعمتوں کے باوجود شکوے:

تو انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جو حالات بھیجتے ہیں، خوشی کے ہوں یا غم کے، صحت کے ہوں یا بیماری کے، ہر حال میں اپنے اللہ سے راضی رہے۔ یہ مائنڈ بنائے، ذہن بنائے۔ چونکہ دیکھنے میں یہ آ رہا ہے کہ آج کے دور میں رزق کی جتنی فراخی ہے، پہلے نہیں تھی۔ پہلے زمانے کے لوگ دسترخوان پر ایک کھانا کھاتے تھے، آج ماشاء اللہ! دسترخوان پر Multiple Choice (کئی قسم کے)

کھانے ہوتے ہیں۔ایک زمانہ تھا کہ لوگ موٹا ہونے کے لیے پیسے خرچ کرتے تھے۔اچھی غذا کھاؤ، دودھ پیو، پیسہ خرچ کرو کہ موٹے ہو جائیں۔آج لوگ پتلا ہونے کے لیے پیسہ خرچ کرتے ہیں۔ڈائٹنگ کے مستقل سٹور بنے ہوئے ہیں۔ پتلا ہونے کے لیے پیسہ خرچ کرتے ہیں،تو رزق کی کمی کہاں سے ہے؟ آج کے دور میں بھوکا مرنے والوں کی تعداد آپ دکھا نہیں سکتے اور زیادہ کھا کر مرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں۔یہ جو خون کی شریانیں بند ہوتی ہیں (High Cholestrole) تو یہ چربی زیادہ کھانے سے ہوتی ہیں۔بلڈ پریشر زیادہ نمک کھانے سے ہوتا ہے،شوگر زیادہ میٹھا کھانے سے ہوتی ہے۔تو ہر چیز زیادہ ہی زیادہ ہے،مگر اللہ کی عجیب شان ہے کہ رزق کی بہتات بھی آج سب سے زیادہ ہے اور جتنے اللہ کے شکوے ہیں آج سب سے زیادہ ہیں۔جتنے شکوے آج ہیں،اس سے پہلے کبھی تھے ہی نہیں۔تو بھئی! اللہ تعالیٰ سے راضی رہنا سیکھیں۔

ایک سبق آموز واقعہ:

کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ایک عورت کی شادی ہوئی۔گاؤں کی رہنے والی تھی اور اس کا خاوند امیر آدمی تھا۔اس نے گاؤں کے کنارے پر ایک گھر بنایا اور اس میں بیوی کو رکھا۔یہ دونوں میاں بیوی وہاں رہ رہے تھے،اور کچھ جانور بھی گھر میں رکھے ہوئے تھے۔دیہاتی علاقوں میں ہر گھر کے اندر کوئی نہ کوئی جانور ہوتا ہے۔گائے،بھینس،،بکری،گدھا،مرغا یا کتا،کچھ نہ کچھ ہوتا ہے،یہ دیہاتی زندگی کا فیچر ہے۔دلہن جب اپنے گھر رہنے لگی،کچھ دنوں کے بعد مرغا مر گیا،تو وہ بڑی غصے ہوئی اور خاوند کو کہنے لگی: دیکھو! ہمارا مرغا مر گیا۔خاوند کی عادت تھی کہ وہ ہر کام میں کہتا تھا کہ اس میں بھی کوئی خیر ہوگی۔اس نے آگے

سے کہہ دیا کہ اس میں کوئی خیر ہوگی۔ اب بیوی بڑی پریشان کہ ہمارا مرغا مر گیا اور یہ کہتا ہے کہ کوئی خیر ہوگی۔ تھوڑے دنوں کے بعد اللہ کی شان ان کا جو رکھوالی کرنے والا کتا تھا وہ بھی مر گیا۔ تو پھر بیوی نے کہا کہ دیکھو! ہمارا تو کتا بھی مر گیا۔ اس نے کہا: کوئی خیر ہوگی۔ وہ بڑی حیران کہ بھئی! کتا رات کو پہرہ دیتا تھا، اس کے مرنے میں کیا خیر ہو سکتی ہے؟ اللہ کی شان کہ کچھ عرصے کے بعد گدھا مر گیا۔ اب جب اس نے خاوند کو بتایا تو اس نے کہا: اس میں بھی کوئی خیر ہوگی، تو وہ پھر برس پڑی، کہنے لگی: عجیب بات ہے! مرغا مرا، کوئی خیر ہوگی...... کتا مرا، کوئی خیر ہوگی...... گدھا مرا، کوئی خیر ہوگی...... یہ مرنے میں ہی خیر ہے سب کی؟ اور اب پھر آپ کی باری ہے یا میری باری۔ آپ کو تو پتہ ہی ہے جب عورتیں ماشاء اللہ! بات کرنا شروع کرتی ہیں تو پھر کہاں کہاں کے ردیف قافیے ملا دیتی ہیں۔ وہ بیچارا سن کر چپ کر گیا۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ کچھ عرصے کے بعد ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے اس بستی پر ڈاکا مارنے کا پروگرام بنایا۔ اور انہوں نے یہ پروگرام بنایا کہ بھئی! جہاں سے بھی ہمیں مال سونا چاندی ملے گا، ہم نے سب نکالنا ہے۔ اور کچھ بدنیتوں نے عورتوں کی عزت بھی خراب کرنے کا پروگرام بنایا۔ سب گاؤں والے سوئے پڑے تھے کہ اچانک ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ اب وہ ہر گھر کے لوگوں کو باہر نکال رہے ہیں اور ان کی تلاشی لے رہے ہیں اور ان کا سونا چاندی لے رہے ہیں۔ وہ تعداد میں کافی تھے، پورے گاؤں میں انہوں نے اسی طرح کا معاملہ کیا۔ کتنی جگہوں سے مال لوٹا، کئی گھروں میں عزت لوٹی، مگر یہ جو دولہا دلہن تھے، ان کی طرف کوئی بھی نہیں آیا، یہ آرام اور مزے سے رات کو سوتے رہے۔ صبح اٹھے تو ان کو گاؤں میں ہونے والی کاروائی کا پتہ چلا۔ سارے گاؤں

کے لوگ حیران ہوئے کہ پورے گاؤں کے ہر گھر کا مال لوٹا گیا، ادھر کوئی نہیں آیا۔

وقت کے ساتھ ایک ڈاکو پکڑا گیا، اس سے پوچھا گیا: بھئی! تم نے سارے گاؤں کو لوٹا، ایک گھر کو کیوں چھوڑ دیا؟ اس نے کہا: جی اصل مسئلہ یہ تھا کہ ہم نے آپس میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہر گھر کی تلاشی لیں گے، ہم جس گھر کے قریب جاتے تھے، کوئی نہ کوئی جانور بولتا تھا، جس سے ہمیں پتہ چل جاتا تھا کہ یہاں کوئی رہتا ہے، ہم اس میں جا کر مال بھی لوٹتے تھے اور بدکاری بھی کرتے تھے۔ ایک گھر ایسا تھا کہ اس میں کسی جانور کے بولنے کی آواز نہ سنائی دی، ہم نے سوچا کہ یہاں کے لوگ بھاگ گئے ہیں، یا یہاں کوئی رہتا ہی نہیں، چونکہ وقت بھی تھوڑا تھا تو ہم ادھر گئے ہی نہیں۔

اب بتاؤ کہ عورت سمجھ رہی ہے کہ ان جانوروں کے مرنے سے ہمارا نقصان ہو رہا ہے، اور جب حقیقت اس کے سامنے کھلی تو اب اللہ کا شکر ادا کر رہی ہے کہ اللہ! آپ نے میرا مال بھی بچا لیا، میری عزت اور آبرو بھی آپ نے بچا لی۔

اللہ کے ہر کام میں خیر ہوتی ہے:

اب کوئی بندہ کہے کہ میرا بیٹا نہیں ہے، بھئی! اللہ بیٹا دے دیتے اور نافرمان بنا دیتے تو آپ زیادہ عذاب میں ہوتے۔ کوئی کہے: جی میری بیوی اتنی خوبصورت نہیں، بھئی! خوبصورت نہیں تو کیا ہوا، وفادار تو ہے۔ اگر خوبصورت بیوی دے کر بدکردار بنا دیتے تو پھر کیا ہوتا؟ وہ گھر آپ کا بساتی، دل میں کسی اور کو بساتی۔ اللہ تعالیٰ جو بھی کرتے ہیں، اس میں خیر ہوتی ہے۔ فیصلہ کوئی بندہ نہیں کرتا، اللہ کرتے ہیں۔ کسی بندے کے اختیار میں نہیں کہ وہ کاروبار کو بند کر

دے، کاروبار کو روک لے، رشتہ روک لے، کوئی کچھ نہیں کر سکتا، جو ہوتا ہے وہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ تو پھر مومن کو کیا پریشانی؟ تو ذہن بنا لیں کہ جو بھی ہوتا ہے اس میں خیر ہوتی ہے۔

اس میں بھی کوئی خیر ہے:

اب اپنی بات کو سمیٹنے سے پہلے میں آپ کو ایک آخری واقعہ سناتا ہوں، ایک بادشاہ تھا، اس کو ہرن شکار کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اس کا ایک ہم مزاج دوست بھی تھا، اس کو بھی شکار کا بڑا شوق تھا۔ تو وہ بادشاہ کا بہت مقرب ہو گیا۔ بادشاہ نے اس کو اپنا دوست، اپنا مصاحب بنا لیا۔ اب یہ دونوں کبھی کبھی جنگل جاتے اور جا کر شکار کھیلتے تھے۔ یہ جو بادشاہ کا دوست تھا، اس کی بھی یہ عادت تھی کہ ہر بات پر کہتا: ''اس میں کوئی خیر ہو گی''۔ کوئی بات ہوتی، کہتا: ''اس میں کوئی خیر ہو گی'' اب اللہ کی شان کہ ایک مرتبہ بادشاہ کے ساتھ یہ شکار کھیلنے گیا اور بادشاہ نے بندوق پکڑی ہوئی تھی۔ تو پکڑتے ہوئے کچھ ایسا ہوا کہ گولی چلی اور بادشاہ کا انگوٹھا ہی کٹ گیا۔ تو بادشاہ کو تکلیف بھی تھی، غصے میں بھی تھا۔ خیر! اس کے اس دوست نے مرہم پٹی کی اور ساتھ میں کہا: بادشاہ سلامت! اس میں بھی کوئی خیر ہو گی۔ تو بادشاہ کو تو اتنا غصہ آیا کہ میرے پاؤں کا انگوٹھا کٹ گیا، اور یہ کہتا ہے کہ اس میں کوئی خیر ہو گی۔ اس نے کہا: اچھا میں تیرا پتہ کرتا ہوں۔ لو جی واپس آ کر بادشاہ نے اس کو تو جیل بھجوا دیا۔ پولیس کو کہا کہ اس کو روزانہ دس جوتے لگایا کریں۔ کہاں بادشاہ کا مقرب تھا اور کہاں جیل میں روز جوتے کھا رہا ہے۔

ایک سال گزر گیا۔ بادشاہ کا پاؤں ٹھیک ہو گیا تو بادشاہ کے دل میں پھر

چاہت ہوئی کہ میں شکار پر جاؤں۔ اس نے کہا: میں شکار پر تو جاؤں، لیکن میرا وہ دوست نہیں ہے، مگر اس نے سوچا کہ چلو! چھوڑو اس دفعہ میں اکیلا چلا جاتا ہوں۔ بادشاہ نے اپنے کارندوں کو لیا اور شکار کے لیے چلا گیا۔ اب شکار میں اس نے ایک ہرن کو دیکھا تو اپنا گھوڑا اس کے پیچھے لگا دیا۔ ہرن بھی بھاگتا رہا، گھوڑا بھی بھاگتا رہا، اور بادشاہ سلامت اپنے کارندوں سے بہت آگے نکل گیا۔ بھاگتے بھاگتے جنگل کے بیچ میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک بستی کے کچھ لوگ رہتے تھے، انہوں نے دیکھا کہ ایک اجنبی ہے، اعلیٰ پوشاک پہنی ہوئی اور قیمتی چیزیں اس کے پاس ہیں۔ انہوں نے اسے پکڑ لیا۔ اب اس نے کہا: میں بادشاہ ہوں۔ انہوں نے کہا: تو ہو گا شہروں کا بادشاہ، ادھر تو ہماری ایک بادشاہت ہے، یہ جنگل ہے۔ اب بادشاہ بڑا پریشان کہ میرا کیا بنے گا؟

انہوں نے بستی کے سردار کو بتایا کہ ہم نے اس بندے کو پکڑا ہے، اس کے پاس بڑا قیمتی سامان ہے۔ اس نے کہا: بہت اچھا! ہم ہر سال ایک قربانی دیتے ہیں، کسی بت کے نام کی نیاز دیتے ہیں، پہلے ہم اپنی بستی کا کوئی بندہ ذبح کرتے تھے، اس دفعہ یہ مرغا ہاتھ آ گیا ہے تو اس کو ذبح کرو۔ اب بادشاہ یہ ساری باتیں سن رہا تھا اور بڑا پریشان تھا کہ ان لوگوں نے تو اسے قربانی کا بکرا ہی بنا لیا، یہ تو مجھے مار دیں گے۔ خیر! طے ہو گیا کہ کل ساری قوم کے لوگ آئیں گے اور قوم کا سربراہ بھی آئے گا اور اس کے سامنے ہم سال کا جو نذرانہ دیتے ہیں، وہ دیں گے۔ اللہ کی شان کہ اگلے دن لوگ اکٹھے ہو گئے، بادشاہ کو اب پکا یقین تھا کہ آج میں زندہ نہیں بچوں گا۔ لوگ آئے اور بادشاہ کو پکڑ کر لے گئے، بادشاہ کو کہا کہ بھئی! تجھے تو آج ہم نے ذبح کرنا ہی کرنا ہے۔ بادشاہ سلامت جب سب کے سامنے چلتے ہوئے گئے تو ان کا جو سب سے بڑا سردار تھا اس نے دیکھا کہ یہ بندہ

چلنے میں تھوڑا سا جھول دے کر چل رہا ہے۔ چونکہ انگوٹھا کٹا ہوا تھا تو بالکل صحت مند بندے کی تو چال نہیں رہتی، اس نے جب ذرا غور سے دیکھا تو قریب بلا کر اس سے پوچھا کہ تم ایسے کیوں چل رہے تھے؟ تو پتہ چلا کہ انگوٹھا کٹا ہوا ہے۔ تو بڑے سردار صاحب نے کہا: دیکھو! ہم نے یہ نذر مانی ہوئی تھی کہ ہم اپنی قوم کا ایک ایسا بندہ ہر سال قربان کریں گے جو صحیح سالم ہوگا، یہ تو صحیح سالم نہیں ہے، اس کا تو انگوٹھا کٹا ہوا ہے۔ یہ تو عیب والا ہے، لہٰذا اس کی قربانی نہیں ہو سکتی۔ بادشاہ کی جان میں جان آئی کہ اب یہ مجھے کچھ نہیں کہیں گے۔ اس نے کہا: جب اس کو ذبح نہیں کرنا تو اسے چھوڑ دو، جائے اپنے گھر۔ انہوں نے بادشاہ کو چھوڑ دیا۔

اب بادشاہ سوچنے لگا کہ واقعی میرا دوست ٹھیک کہتا تھا کہ اللہ کے ہر کام میں کوئی خیر ہوتی ہے۔ میرا انگوٹھا کٹنے میں بھی خیر تھی کہ میں ذبح ہونے سے بچ گیا۔ اب بادشاہ کے دل میں بات آئی کہ میں واپس جا کر اپنے دوست کو جیل سے نکالوں گا اور معافی مانگوں گا کہ میں نے ایک سال آپ کو جوتے لگوائے، آپ ٹھیک کہتے تھے کہ ہر کام میں خیر ہوتی ہے۔ اب بادشاہ سلامت واپس آئے، دوست کو جیل سے نکلوایا، اور کہا کہ آپ درست کہتے تھے کہ ہر کام میں خیر ہوتی ہے۔ میرا انگوٹھا کٹنے میں بھی خیر ہی تھی، اس عیب کی وجہ سے انہوں نے مجھے ذبح نہیں کیا، مجھے چھوڑ دیا۔ اس کے دوست نے جب یہ سنا تو کہا کہ بادشاہ سلامت! اس میں بھی خیر تھی۔ کیا مطلب؟ کہنے لگا: بادشاہ سلامت! آپ نے غصے میں آ کر مجھے ایک سال جیل بھیج دیا اور خود اکیلے چلے گئے، اگر میں آپ کے ساتھ ہوتا تو میں تو صحیح سالم تھا، آپ کو انہوں نے چھوڑ دیا، مجھے نہیں چھوڑنا تھا۔

تو ہم نہیں جانتے کہ جو چیز ہمارے ساتھ پیش آ رہی ہے اس میں حکمت کیا ہے؟ ہم نہیں جانتے کہ ہمارے ساتھ مستقبل میں کیا ہونا ہے؟ لیکن ہمارا

پروردگار جانتا ہے۔

تقدیرِ الٰہی پر راضی رہیں:

لہٰذا ایک اصول کی بات یہ ہے کہ تقدیر کے معاملے میں بندے کو ہمیشہ اپنے رب پر راضی ہونا چاہیے۔ جو بندہ تقدیر پر راضی نہ ہو، ذرا ذرا سی بات پر شکوے کرنے لگ جائے: ہماری دعا قبول نہ ہوئی، ہماری یہ بات پوری نہ ہوئی، ہماری وہ بات پوری نہ ہوئی، تو اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ ناپسند ہوتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَوَّلُ شَیْءٍ كَتَبَهُ اللهُ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ

''اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں سب سے پہلے لکھا:''

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلِيْ

''نہیں کوئی معبود سوائے میرے، اور محمد میرے رسول ہیں''

پھر آگے لکھا:

فَمَنِ اسْتَسْلَمَ لِقَضَائِي، وَصَبَرَ عَلٰى بَلَائِي، وَشَكَرَ نَعْمَائِي، كَتَبْتُهُ صِدِّيْقًا، وَبَعَثْتُهُ مَعَ الصِّدِّيْقِيْنَ

''جو میری قضا کو تسلیم کرلے اور بلاؤں پر صبر کرلے اور میری نعمتوں کا شکر ادا کرے تو میں اس کا شمار صدیقین میں کروں گا اور اس کا حشر بھی انہی کے ساتھ کروں گا''

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَسْلِمْ لِقَضَائِي وَلَمْ يَصْبِرْ عَلٰى بَلَائِي وَلَمْ يَشْكُرْ نَعْمَائِي، فَلْيَتَّخِذْ رَبًّا سِوَائِي

''جو میری قضا کو تسلیم نہیں کرتا اور میری بھیجی ہوئی بلاؤں پر صبر نہیں کرتا، اور جو میری دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا، اسے چاہیے کہ میرے علاوہ کسی اور کو اپنا رب بنا لے۔'' (البحر المدید: ۱۹۹/۳، سورۃ ھود)

اب دیکھیں یہ کیسی عجیب بات ہے! رب کریم یہ فرماتے ہیں کہ جو میری تقدیر پر راضی نہیں ہوتا اس کو چاہیے کہ کسی اور کو اپنا رب بنا لے۔ تو ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے مالک سے ہر حال میں راضی رہیں، خوش رہیں۔

رضائے الٰہی کی نشانی:

بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال پوچھا کہ ہمیں کیسے پتہ چلے کہ اللہ ہم سے راضی ہے یا ناراض؟ تو موسی علیہ السلام نے فرمایا: ہاں میں کوہ طور پر جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ سے یہ سوال پوچھوں گا۔ چنانچہ جب گئے اور ہم کلامی ہوئی تو موسی علیہ السلام نے یہ پوچھا کہ ہمیں کیسے پتہ چلے کہ آپ ہم سے راضی ہیں یا ناراض؟ تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: بندوں کو کہہ دو کہ یہ بڑا آسان ہے، تم اپنے دلوں میں جھانک کر دیکھو! اگر تم مجھ سے راضی ہو، میں پروردگار تم سے راضی ہوں۔ اگر تمہارے دلوں میں شکوے شکایتیں ہیں تو میں بھی تم سے ناراض ہوں۔ (قوت القلوب: ۶۷/۲، احیاء علوم الدین: ۴۳۱/۶)

تو ہم اگر اللہ سے راضی ہوں گے تو اس کے جواب میں اللہ ہم سے راضی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾

(آل عمران: ۱۸۵)

مخلوق کی فطری رہنمائی

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 18 مارچ 2005ء بروز جمعہ، ۸ سفر ۱۴۲۶ھ

بمقام: چپاتہ، زیمبیا

مخلوق کی فطری رہنمائی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾ (طه :۵۰)
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو ایک فطری رہنمائی عطا کی:

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ اللہ رب العزت وہ ذات ہے:

﴿اَلَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾ (طه :۵۰)

''جس نے ہر چیز کو زندگی دی اور پھر اس کو زندگی گزارنے کی رہنمائی عطا فرمائی''

پہلے پیدا فرمایا، پھر زندگی گزارنے کا فطری طور پر طریقہ اور سلیقہ سکھا دیا۔ مثلاً: دو انڈے ہیں اور دونوں انڈوں میں سے بچے نکلے، ان دونوں بچوں کو پانی میں ڈال دیں، ایک تیرنے لگ جائے گا اور ایک ڈوب جائے گا۔ ایک ہی وقت میں پیدا ہوئے، مگر ایک تیرنے لگ گیا اور ایک ڈوب گیا۔ اس کی وجہ کیا

ہے؟ جو تیرنے لگ گیا، وہ بطخ کا بچہ تھا، اس کے انڈے میں سے نکلا تھا اور جو ڈوب گیا وہ مرغی کا بچہ تھا، اس کے انڈے میں سے نکلا تھا۔ اب بطخ نے چونکہ پانی میں زندگی گزارنی تھی، اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر اس کے بچے کو تیرنا سکھا دیا اور مرغی نے چونکہ زمین پر زندگی گزارنی تھی، تو اس کو تیرنا بھی نہیں سکھایا۔ یہ فطری رہنمائی اللہ نے ہر مخلوق کو عطا فرمائی۔

...... پرندوں کو کوئی پیدا ہونے کے بعد ہوا میں اڑنا نہیں سکھاتا۔

...... مچھلی کو پانی میں تیرنا کوئی نہیں سکھاتا۔

قدرت کی طرف سے رہنمائی ملتی ہے۔ جانوروں، کو پرندوں کو، ہر ایک کو زندگی گزارنے کی رہنمائی فطری طور پر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔

نومولود کی جبلت:

اب دیکھو! انسان کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا پیدا ہونا بھی مشکل اور اس کا پلنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ نو مہینے عورت مستقل بیماروں والی حالت میں رہتی ہے اور پتہ نہیں کتنی مرتبہ لیڈی ڈاکٹر چیک کرتی ہے، الٹرا ساؤنڈ کرواتے ہیں، فلاں ٹیسٹ کرواتے ہیں اور فلاں کرواتے ہیں اور آخر پر پھر لیڈی ڈاکٹروں کی ضرورت پڑتی ہے، اور کبھی کبھی تو آپریشن بھی بڑا کرنا پڑتا ہے۔ اگر آپ جانوروں کو دیکھیں تو یہ گائے بھی تو حاملہ ہوتی ہے۔ نہ اس کا الٹرا ساؤنڈ ہوتا ہے، نہ چیک اپ اور جب اس کے بچے کی ولادت ہوتی ہے، اس کے پاس ڈاکٹر بھی کوئی نہیں ہوتا، بغیر ڈاکٹر کے اس کے بچے کی بھی ولادت ہو جاتی ہے۔ اور مزے کی بات کہ اس کے بچے کو اٹھانے والا بھی کوئی نہیں ہوتا، وہ بچہ پیدا ہونے

کے دس منٹ کے اندر اندر اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور چلنا شروع کر دیتا ہے۔ جب کہ انسان کا بچہ چلتے ہوئے پورا ایک سال لے جاتا ہے، ایک سال تک ماں باپ اس کو گود میں اٹھائے پھرتے ہیں۔ کبھی بیٹھنا سیکھتا ہے، کبھی کھڑا ہونا سیکھتا ہے، پھر واکر سے چلنا سیکھتا ہے، پھر کہیں سال کے بعد انگلی پکڑ کر دو قدم اٹھانے کے قابل ہوتا ہے۔

بکری کے بچے کو دیکھو! ایک کی جگہ دو دو بچے ہوتے ہیں، تین تین بچے ہوتے ہیں اور وہ پیدا ہونے کے پانچ دس منٹ بعد ہی اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنی ماں کا دودھ پینا شروع کر دیتے ہیں۔ ان چھوٹے بچوں کو کس نے بتا دیا کہ ماں کے تھنوں سے دودھ ملے گا؟ وہ ماں کے منہ کو تو نہیں جا کر چوستے کہ اس کے منہ سے ہمیں کچھ مل جائے۔ یہ اللہ نے فطری رہنمائی عطا کر دی۔ جنگل کے جتنے جانور ہیں ان سب کے بھی بچے ہوتے ہیں، کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں، کوئی Complications (پیچیدگیاں) نہیں ہوتیں، جب کہ انسان کی پیدائش میں اتنے مسائل ہوتے ہیں۔

شیروں کے ضابطے:

اگر جنگل کی زندگی کو دیکھیں تو جانوروں میں ایسے اصول ہیں کہ بندہ حیران ہو جاتا ہے۔ شیر کے جو نوزائیدہ بچے ہوتے ہیں، ان کو Cubs کہتے ہیں۔ اب وہ بچے اگر نر ہیں تو جب وہ ذرا بڑے ہوتے ہیں تو ان کی ماں ان بچوں کے ساتھ کھیلتی ہے۔ کبھی بچے کو نیچے دے گی، کبھی اوپر لٹائے گی، کبھی پنجہ آزمائی کرے گی، کبھی بھاگے گی، کبھی چھلانگ لگائے گی۔ وہ کیوں کھیل رہی ہوتی ہے؟

ماں چیک کر رہی ہوتی ہے کہ یہ میرا بچہ Physically فٹ ہے یا نہیں۔ شیر کا جو بچہ کمزور اوران فٹ ہوتا ہے، تو ماں نشاندہی کر دیتی ہے، شیر اپنے بچے کو خود ہی جان سے مار دیتا ہے۔ یہ فطرت ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس نے شیر بن کر رہنا ہے، اگر یہ کمزور ہوا اور بڑا ہو کر یہ شکار کرنے کے قابل ہی نہ ہو تو یہ شیر کی زندگی گزار ہی نہیں سکتا۔ اس کو فطری طور پر باپ ہی مار دیتا ہے، اور عجیب بات کہ ماں کی نشاندہی پر مارتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں: Mother rejected cub (ماں کا ردشدہ بچہ) ویسے تو ماں کبھی بچے کو رد نہیں کرتی، لیکن یہاں ماں جانتی ہے کہ میرے بیٹے نے جنگل کا شیر بن کر رہنا ہے، اس کی ضروریات ہیں، تقاضے ہیں، پورے کر سکتا ہے تو یہ جنگل میں رہے گا، نہیں کر سکتا تو شیر کا نام بدنام ہوگا کہ ہے شیر اور گدھے سے مار کھا رہا ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا، اس لیے اس کو مار دیتے ہیں۔

اگر بچے مادہ ہیں، یعنی شیرنیاں ہیں تو اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ ان کی ماں ان کو لے کر پھر دور چلی جاتی ہے۔ اللہ اکبر! ایک ایک سال تک ماں اپنی بیٹیوں کے پاس رہتی ہے، حتیٰ کہ وہ بڑی ہو جاتی ہیں، جوان ہو جاتی ہیں، اور ان کو وہاں چھوڑ کر پھر واپس وہ اپنے شیر کے پاس آتی ہے۔ کیوں لے کر چلی جاتی ہے؟ اس لیے کہ شیر کی زندگی میں باپ اپنی بیٹی کے ساتھ ہم بستری نہیں کر سکتا، اس لیے ماں اپنی بیٹیاں لے کر چلی جاتی ہے۔ یہ نظامِ قدرت ہے، شیر کو اللہ نے شجاعت دی ہے تو ساتھ غیرت بھی دے دی، ورنہ باقی جانوروں میں یہ چیز نہیں ہوتی۔ یہ مرغا، بلی، کتا، فلاں اور فلاں، ان میں اس قسم کا تو کوئی تصور ہی نہیں۔ لیکن شیر، شیر ہے، اس کو اللہ نے شجاعت دی ہے، اس کے سر پر بادشاہت کا تاج

رکھا ہے، اس لیے اس کو غیرت بھی دی ہے، اپنی بیٹی کے ساتھ جماع نہیں کرے گا۔ چنانچہ وہ بیٹیاں جب دوسرے شیروں کے ساتھ چلی جاتی ہیں، رخصتی ہو جاتی ہیں تو یہ ماں پھر کچھ عرصے کے بعد اپنے خاوند کے پاس پندرہ پندرہ میل پیچھے ہٹ کر واپس آ جاتی ہیں۔ پھر نیا سائیکل شروع ہو جاتا ہے۔ اس کو یہ طریقہ کس نے سکھایا ہے؟ فطرت نے سکھایا ہے۔

﴿اَلَّذِيْٓ اَعْطٰي كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾ (طه :۵۰)

اور یہ سارے جانوروں میں اسی طرح ہے۔ ہر ایک کے اپنے اپنے اصول وضوابط ہیں، ان کے مطابق چلتے ہیں۔

بادشاہ سلامت کا ڈسپلن:

ایک مرتبہ ہم جا رہے تھے، جنگل میں سے گزرنا تھا اور جماعت کے ساتھی بہت سارے تھے، شاید کچھ پچاس کے قریب تھے، ویگنیں تھیں، گاڑیاں تھیں، خاصہ لمبا قافلہ بن گیا تھا۔ ایک جگہ شیر نے شکار کیا ہوا تھا، بالکل سڑک سے کوئی بیس پچیس فٹ کے فاصلے پر وہ تھا، تو وہاں بہت ساری گاڑیاں کھڑی تھیں اور لوگ وہاں منظر دیکھ رہے تھے۔ ہم لوگ جب گزرے تو چلانے والے نے کہا: حضرت! ہم بھی رک کر دیکھیں؟ ہم نے کہا: ضرور دیکھو! سٹڈی کرو اسے۔ اس نے گاڑی روکی تو بالکل سامنے کچھ فاصلے پر ایک شیر تھا، جو بھینس یا اس قسم کا کوئی بڑا جانور اکیلا ہی کھا رہا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی چار پانچ شیرنیاں بھی تھیں اور شیرنیوں کے ساتھ بچے بھی تھے، سب پیچھے بیٹھے آرام سے دیکھ رہے، لیکن وہ کھا اکیلا رہا تھا۔ تو ہم نے وہ جو گاڑی چلانے والا تھا اسے کہا کہ بھئی

!یہ کیا ماجرا ہے؟ اس نے کہا: جی! یہ دستور ہے کہ عام طور پر شیرنیاں شکار کرتی ہیں، لیکن شکار کر کے پیچھے ہٹ جاتی ہیں، پہلے شیر کھاتا ہے۔ کیسے کھاتا ہے؟ پہلے جانور کا پیٹ کھول کر اس کے اندر جو دل کلیجی اور نرم چیزیں ہیں، وہ پہلے کھاتا ہے، جب کھا کر اس کا پیٹ بھر جاتا ہے تو پھر وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے، تب دوسرے فیملی ممبر آ کر کھاتے ہیں۔ یہ ڈسپلن ہے بادشاہ سلامت کا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ شیر کھا کر پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ پھر ایک شیرنی نے کوئی آواز نکالی، مجھے تو ایسے لگا کہ جیسے اجازت لے رہی ہو۔ پھر دوسری شیرنی نے نکالی، پھر تیسری شیرنی نے نکالی۔ جب دو چار شیرنیوں نے آوازیں نکالیں تو جو وہ شیر لیٹا ہوا تھا، اس نے بھی آگے سے کوئی ایسی آواز سی نکالی۔ ہمیں یوں لگا کہ جیسے اس نے ان کو کوئی NOC دے دیا ہے۔ اور اس کی آواز نکلنے کے فوراً بعد وہ شیرنیاں جو جھپٹیں اور انہوں نے شکار کو کھینچنا اور نوچنا شروع کر دیا، اور بچے بھی ساتھ ہو گئے، پورے خاندان نے اس کو مل کر کھانا شروع کر دیا۔ یعنی شیر نے بتا دیا تھا کہ میں نے جو کھانا تھا کھا لیا، اب آپ لوگ کھائیں۔ یہ دیکھو! ڈسپلن جانوروں کے اندر ہے۔

بابون کا ڈاکہ:

جب ہم وہاں سے آگے چلے تو اللہ تعالیٰ کی شان! ایک جگہ پر سڑک کے بالکل کنارے کے اوپر بابون بیٹھے ہوئے تھے۔ بابون ایک چھوٹے کتے کے سائز کا بندر ہوتا ہے۔ تو بابون کی ایک پوری فیملی وہاں بیٹھی ہوئی تھی، ہوں گے کوئی پچیس تیس بابون۔ ہمارے ڈرائیور نے گاڑی روک لی۔ اللہ تعالیٰ کی

شان! ادھر سے انگریزوں کی ایک ویگن آ رہی تھی، اور وہ بھی بالکل ہمارے قریب آ کر رک گئی۔ وہ انگریز بابون کو دیکھ رہے تھے اور ہم بھی بابون اور ان کے رشتے دار دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں کیا ہوا کہ ایک بابون نیچے سے چلتا چلتا گاڑی کی دوسری سائیڈ پر آ گیا اور اس کا ایک شیشہ آدھا کھلا ہوا تھا، اس نے جو چھلانگ لگائی تو اس کے اوپر چڑھ گیا اور کسی کو پتہ ہی نہیں کہ یہاں چھ آٹھ انچ کے فاصلے پر بابون بیٹھا ہوا ہے۔ وہ سب دوسری طرف دیکھ کر باتیں کر رہے ہیں۔ بابون جب اوپر چڑھا تو اس کو اندر سے پھلوں کی خوشبو آئی۔ انہوں نے ڈگی میں ایک ٹوکری پھلوں کی رکھی ہوئی تھی۔ یہ آرام سے اندر جاتا ہوا اتنی خاموشی سے پہنچا کہ ان کو پتہ ہی نہ چلا۔ ڈگی میں جا کر اس نے جو ہاتھ مارے تو کھٹکا ہوا۔ کھٹکا ہوا تو وہ متوجہ ہوئے اور جب اسے اندر دیکھا تو پھر تو وہ بھاگے، انہوں نے جلدی سے دروازے کھولے، کوئی اِدھر نکلا کوئی اُدھر نکلا۔ ڈرائیور نے نکلتے ہوئے ڈگی کھول دی، جیسے ہی اس نے ڈگی کھلی تو ہم نے دیکھا کہ اس بابون نے ان کی وہ ٹوکری ہاتھ میں پکڑی اور بھاگ گیا۔ تو اس دن ہم نے بابون کو ڈاکا مارتے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

بندر کی چالاکی:

تو یہ بندر بڑا چالاک جانور ہوتا ہے، اتنا یہ چالاک جانور ہے، اتنا یہ تیز جانور ہے کہ ہم سمجھ بھی نہیں سکتے۔ آپ دیکھیں کہ اژدھا اور سانپ ہمیشہ بندر سے ڈرے گا۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ سانپ اور اژدھے کو مار دیتا ہے۔ اور مارتا پتہ کیسے ہے؟ مارتا ایسے ہے کہ یہ ایسے بیٹھا ہوگا اور وہ سانپ جب اچانک اس

کے اوپر حملہ کرے گا تو یہ اتنا تیز ہے کہ حملہ کرتے ہی یہ تھوڑا سا پیچھے ہٹ جائے گا، تو اس کا سر زمین پر لگے گا جب اس کا سر زمین پر لگے گا تو اس وقت یہ اوپر سے اس کا سر تھوڑا سا پکڑ کر زمین کے ساتھ رگڑ دے گا اور پھر چھوڑ کر پیچھے ہٹ جائے گا۔ پکڑے اس لیے نہیں رکھے گا کہ کہیں وہ میرے ہاتھ پر کنڈلی کر کے مجھے ڈس نہ لے۔ اب جب سانپ کا منہ زمین کے ساتھ رگڑا جائے گا تو وہ زخمی ہوگا، پھر وہ اور شدت کے ساتھ اس پر حملہ کرتا ہے۔ جب وہ اور حملہ کرتا ہے تو یہ پھر اسی طرح تھوڑا سا پیچھے ہٹتا ہے اور جب سر نیچے آتا ہے تو اس کو رگڑ دیتا ہے۔ یعنی پانچ سات مرتبہ میں یہ رگڑ رگڑ کر اس کے سر کو برابر کر دیتا ہے۔ یہ اتنا تیز جانور ہے۔

بندر اور کتے کی دلچسپ لڑائی:

ایک مرتبے ہمارے پاکستان میں ایک چھوٹا سا واقعہ پیش آیا، مگر تھا بڑا عجیب۔ ایک شوگر مل ہے، اس کے سامنے ایک آدمی رہتا تھا، جس نے ریچھ سے لڑانے کے لیے کتے پالے ہوئے تھے۔ ریچھ کے ساتھ لڑنے والے جو کتے ہوتے ہیں، وہ بڑے قد کے اور بڑے لمبے ہوتے ہیں، ان کے منہ چوڑے ہوتے ہیں۔ وہ بڑے Well build (جسیم) ہوتے ہیں، مجھ جیسے بندے کو تو ویسے ہی گھسیٹ کر بھاگ جائیں، وہ اتنے تیز ہوتے ہیں۔ اس بندے نے وہ کتا پالا ہوا تھا۔ وہ قدرتاً اس کو لے کر عصر کے وقت باہر سڑک پر ٹہلنے کے لیے نکلا تو شہر سے ایک مداری والا آرہا تھا۔ اس کے پاس ایک چھوٹا سا بندر تھا جو رسی کے ساتھ بندھا ہوا اس کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ جیسے ہی کتے کی نظر بندر پر پڑی تو

وہ اس کے پیچھے بھاگا، بندر خوف کی وجہ سے چھلانگ لگا کر مداری کے کندھے کے اوپر چڑھ گیا۔ اب کتا اپنے مالک کو بندر کی طرف کھینچ رہا ہے، بندہ اس کو روکتا بھی ہے، کھینچتا بھی ہے، لیکن کتا پھر زور لگا رہا ہے۔ اتنے میں دو چار بندے اور بھی آ گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: یار! آج کتے اور بندر کی لڑائی دیکھیں۔ بندر والے نے کہا: بھائی یہ تو چھوٹا سا بندر ہے اور کتا اتنا بڑا ہے، یہ کوئی جوڑ ہے؟ اس نے کہا: بس تھوڑی دیر کھولو ہم دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں نہیں! یہ تو ویسے ہی بندر کو مار دے گا۔ اس نے کہا: نہیں! اللہ کی شان کہ عین اسی وقت شوگر مل میں چھٹی ہو گئی۔ گھنٹی بجی، شفٹ ختم ہو گئی تو وہاں تو سات آٹھ سو بندے باہر نکلتے ہیں۔ یکدم وہ سب جب باہر نکلے تو وہ بھی کھڑے ہو گئے۔ آج کل تو پھر ایسی جگہوں پر لوگ جلدی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ تو پھر سو پچاس بندوں کا مجمع ہو گیا۔ اب مجمع کے درمیان وہ بندر والا بھی کھڑا ہے، بندر اس کے یہاں بیٹھا ہے، کتے والا بھی کھڑا ہے، کتے کو ایک دو بندوں نے پکڑا ہوا ہے۔ اب جب اوپر سے تماشبین آئے، تو وہ کہیں: ہاں ہاں یار! جلدی ان کی لڑائی کراؤ تماشا دکھاؤ، پھر ہم نے گھر جانا ہے، ان کو جلدی پڑی ہوئی تھی۔ اس نے کہا کہ نہیں جی! میں نہیں لڑاتا۔ دو چار نوجوان ایسے تھے کہ انہوں نے کہا کہ بھئی! اگر تو نہیں لڑائے گا تو ہم تیرے بندر کو چھینیں گے اور کتے کے ساتھ لڑا کر دیکھیں گے اور اگر تو خود لڑائے گا تو اگر تیرے بندر کو کچھ ہوا تو اس کی قیمت ہم خود دیں گے۔ اس نے کہا: بھئی! قیمت تو دے دو گے، لیکن میں نے اس کو دو سال میں جا کر کچھ سکھایا ہے، تو میرا تو بیوی بچوں کی روزی کا مسئلہ ہے۔ وہ نوجوان بچے تھے، انہوں نے کہا کہ بھئی! قیمت چاہیے تو لڑاؤ، ورنہ چھین کر لڑائیں گے اور

قیمت بھی نہیں دیں گے، اب وہ بیچارا مجبور ہو گیا۔

بندر والے نے بندر کی طرف دیکھا، اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو بندر سمجھ گیا کہ اب میرا وقت آ گیا ہے۔ خیر! اس نے اپنے بندر کو نیچے بٹھایا، اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا رہا اور پھر اس کی کنڈی کھول دی۔ اب یہ بندر بس یوں بیٹھا ہوا ہے، اور ایسے سہما ہوا، ڈرا ہوا، سب کو دیکھ رہا ہے، کبھی کتے کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی ہر بندے کو لگ رہا تھا کہ یہ بندر مرے گا۔ اور کتا تو دو ٹانگوں پر یوں کھڑا ہے، وہ سنبھلا ہی نہیں جا رہا۔ اس کی اگلی دو ٹانگیں یوں اٹھی ہوئی ہیں اور پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہے، یوں ہے کہ بس مجھے موقعہ ملے تو میں بس ایک ہی دفعہ میں اس کا کام تمام کر دوں۔ اللہ کی شان کہ ادھر سے انہوں نے جو کتے کو کھولا تو کتے نے اس کے اوپر جھپٹا مارا، یوں تیزی سے آیا۔ تو جیسے ہی کتا آیا تو یہ جو بندر تھا، اس نے چھلانگ لگائی اور اس کی کمر کے اوپر جا کر چمٹ گیا۔ اب جیسے ہی بندر اس کی کمر کے اوپر آیا تو ایک ہاتھ سے اس کا دایاں کان پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے بایاں کان پکڑ لیا۔ اب کتا دائیں طرف گردن گھماتا ہے تو یہ بایاں کان کھینچتا ہے اور بائیں طرف گردن گھماتا ہے تو یہ دایاں کان کھینچتا ہے۔ اب ایسے ہے جیسے ڈرائیونگ ہو رہی ہے۔ سارا مجمع ایسے کہ ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔ اتنا بڑا کتا اور کر کچھ بھی نہیں سکتا، چھوٹا سا بندر اس کی گردن پر بیٹھا ہوا ہے۔ اللہ کی شان دیکھو کہ کتے کو اس نے خوب نچایا، حتیٰ کہ پانچ منٹ کے اندر اندر کتے کے پسینے چھوٹ گئے۔ اس کا زور لگ رہا تھا نا، کبھی وہ یوں ہوتا، کبھی وہ یوں ہوتا۔ جب وہ خود ہی مضمحل ہو گیا، سست پڑ گیا تو اب وہ بندر اپنے مالک کی طرف دیکھے اور یوں اشارہ کرے۔ اب کسی اور کو تو کچھ پتہ نہیں، مالک سمجھ رہا ہے۔ اس کے

مالک نے کہا: تمہیں پتہ ہے یہ مجھے کیا کہہ رہا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: یہ بندر مجھے کہہ رہا کہ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس کتے کو اندھا کر دوں؟ وہ کیسے؟ کہ یوں پکڑا ہوا ہے تو یکدم ہاتھ کو چھوڑوں گا اور سیدھا اپنا ناخن اس کی آنکھ میں مار کر پھر پکڑ لوں گا۔ اور دو دفعہ میں اس کی آنکھ میں ناخن مار مار کر پانی بہا دوں گا اور کتا اندھا ہو جائے گا۔ جب اس کتے والے کو پتہ چلا کہ میرا کتا اندھا ہو جائے گا، تو اب کتے والا رو رہا ہے، معافیاں مانگ رہا ہے کہ میرے کتے کو کچھ نہ کرو۔ جب اچھی طرح اس نے معافیاں مانگ لیں اور پاؤں بھی پکڑ لیے، تو اس وقت بندر والے نے بندر کو اشارہ کیا کہ بھئی! تم آجاؤ۔ وہیں اس کی گردن سے اس نے جو چھلانگ لگائی تو اس کے کندھے پر آ کر بیٹھ گیا، پھر کتا جو وہاں سے بھاگا۔

جان کی دفاع کا فطری علم:

یہ ساری بات بتانے کا مطلب کیا ہے؟ یہ کہ اللہ رب العزت نے ہر چیز کو پیدا کیا، اس کو اپنی زندگی گزارنے کا اللہ نے علم دیا۔ اب بندر کو کس نے سکھایا تھا کہ وہ کتے سے مقابلہ کرے؟ مگر جان کا دفاع کرنے کا طریقہ اللہ نے اس کو دے دیا۔ اس کو پتہ ہے کہ میں نے سانپ سے کیسے لڑنا ہے، میں نے شیر سے کیسے بچنا ہے، میں نے فلاں سے کیسے بچنا ہے۔ یہ فطری علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو دے دیا ہے۔

﴿الَّذِيْٓ اَعْطٰي كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾ (طه: ٥٠)

حتیٰ کہ ان جانوروں کو درختوں اور جھاڑیوں کے اثرات کا بھی پتہ ہوتا

ہے۔ جیسے انسانوں میں طبیب حضرات کو پتہ ہوتا ہے کہ کونسی جڑی بوٹی کس بیماری کے لیے مفید ہے۔ اسی طرح ان جانوروں کو بھی پتہ ہوتا ہے اور جانور بھی ان جڑی بوٹیوں کے پتے کھاتے ہیں اور اپنی بیماری کا علاج کرتے ہیں۔ اس پروردگار نے جانوروں کو یہ ساری سمجھ دے دی۔

نورِ عقل کی نعمت:

اس پروردگار نے انسان کو بھی سمجھ عطا کی اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک نعمت دی ہے جسے عقل کا نور کہتے ہیں۔ اس عقل کے نور کے سبب یہ انسان بہت ہی آرام دہ زندگی گزارتا ہے۔

اب دیکھیے! کچھ جانور سبزہ کھانے والے جانور ہیں۔ جیسے، گائے، بھینس، بکری، سبزہ ہی کھاتے ہیں، ساری زندگی کبھی وہ گوشت کھا ہی نہیں سکتے۔ کچھ جانور جیسے شیر، چیتا، یہ سبزی کھا ہی نہیں سکتے، ساری عمر گوشت کھاتے ہیں۔ کچھ جانوروں کو گوشت کھانا نصیب نہیں اور کچھ کو سبزی کھانا نصیب نہیں۔ واہ میرے مولا! انسان پر آپ کا کتنا فضل ہے کہ آپ نے اس کو سبزی کھانے کی بھی توفیق دے دی اور گوشت کھانے کی بھی توفیق دی۔ اور ہمارے دسترخوان کو دیکھیں! شیر اگر گوشت کو کھاتا ہے تو کچا کھاتا ہے، کبھی کسی شیر نے بھون کر گوشت نہیں کھایا، کبھی کسی شیر نے اس کے تکے کباب بنا کر نہیں کھائے، ہمیشہ کچا گوشت کھائے گا۔ اور انسان گوشت کو کھاتا ہے تو طرح طرح کے کھانے۔ یہ چاپس بنی ہوئی ہیں، یہ اس کی دستی بنا دی ہے، یہ قیمہ کے ساتھ سبزی ملا دی ہے، یا میرے اللہ! اتنی ڈشز ہیں جو ایک انسان بنا لیتا ہے، اپنی عقل کے زور پر! یہ عقل ایک

بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو دی ہے۔

دماغ کی ساخت:

میں آپ کو انسان کی عقل کے بارے میں چند باتیں بتاتا ہوں۔ انسان کا جو دماغ ہے، یہ ایسے ہے جیسے آپ ایک انڈے کو ابالیں تو اس کی ابلنے کے بعد اس کی جو زردی ہوتی ہے، وہ جو سخت سی محسوس ہوتی ہے، جیسے وہ زردی ہے بالکل اسی طرح انسان کا دماغ ہے۔ سو فیصد اسی طرح اس کے سیل (Cell) ہوتے ہیں۔ اس کے گرد اللہ نے ایک جھلی بنائی ہوئی ہے، جس سے اس کو جوڑا ہوا ہے۔ اگر وہ جھلی ہٹا دیں تو اندر سے سب الگ الگ ہو جائے۔ اور اس کے اندر تہہ در تہہ ایک لمبی سطح ہے۔ اس کے اندر انسان کی اطلاعات جمع ہوتی ہیں۔

اعضائے جسمانی کا دماغی کنٹرول پینل:

اب مزے کی بات یہ کہ انسان کا دماغ جو اعضا کو کنٹرول کرتا ہے، اس میں کچھ حصے متعین ہیں جہاں سے دماغ مخصوص اعضا کو کنٹرول کرتا ہے۔ ہاتھوں کو کنٹرول کرنا، پاؤں کو کنٹرول کرنا، جسم کے دیگر اعضا کو کنٹرول کرنا، ہر حصے کے کنٹرول کی دماغ میں ایک جگہ متعین ہے۔ سادہ لفظوں میں یوں سمجھیں کہ جو انسان کی شکل ہے، ہو بہو اس کی شکل انسان کے اس حصے میں ہے جہاں اس کا کنٹرول موجود ہو۔ آنکھوں کی بھی جگہ ہوگی، اور زبان کی بھی ہوگی، ہاتھ بھی ہوں گے، ٹانگیں بھی ہوں گی، مگر جو جسامت ہاتھ اور پاؤں کی ہے کہ ظاہر میں لمبی ہے دماغ میں بہت چھوٹی ہے۔ زبان ظاہر میں چھوٹی ہے، لیکن دماغ میں بہت بڑی ہے۔ اس پر سائنسدان بڑے حیران ہوئے کہ یوں تو پوری کی پوری تصویر

یہاں بنی ہوئی ہے۔ ہاتھوں کو کنٹرول کرنے کے لیے ہاتھوں کی شکل کا حصہ کنٹرول کرتا ہے، پاؤں کو پاؤں کی شکل کا حصہ کنٹرول کرتا ہے، لیکن یہ کیا ہوا کہ ظاہر میں اتنے بڑے بڑے ہاتھ اور اتنے بڑے بڑے پاؤں اور اسے تھوڑا سا حصہ کنٹرول کرتا ہے اور زبان چھوٹی سی اور دماغ میں اتنی بڑی اس کی زبان بنی ہوئی ہے۔ ان کو بعد میں پتہ چلا کہ ہم زبان کی حرکت کو چھوٹا سمجھتے ہیں، حقیقت میں سب سے زیادہ انسان کی (Complicated) پیچیدہ موومنٹ زبان کی ہے، کیونکہ ہم تو تیزی میں تقریر کر رہے ہوتے ہیں، ہمارے ہر لفظ کا ہر ہر مخرج الگ ہوتا ہے۔ تو ہمیں نہیں اندازہ کہ زبان اتنی تیزی سے اندر حرکت کر رہی ہوتی ہے، اور بہت ہی تیزی ہے، ساتھ اس کا کبھی کوئی مخرج کبھی کوئی مخرج نکل رہا ہوتا ہے۔ آپ سوچیں کہ ہم اتنی تیزی سے لفظ بول رہے ہوتے ہیں، فقرے بول رہے ہوتے ہیں، تو ایک ایک فقرے میں کتنے الفاظ اور ایک لفظ میں کتنے حروف ہوتے ہیں۔ زبان کو ہر ہر لفظ کا مخرج الگ جگہ پر جا کر نکالنا پڑتا ہے۔ تو چونکہ اتنی تیز رفتاری کے ساتھ حرکت ہونی تھی تو اس کو بہت سارے سگنل مل رہے ہوتے ہیں۔ ان سگنل کو چلنے کے لیے اس کو موٹر وے چاہیے تھی، چھوٹی سڑک نہیں چاہیے تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے دماغ کا اتنا بڑا حصہ زبان کے لیے مخصوص کر دیا۔ انسان کے دماغ کا یہ جو پچھلا حصہ ہوتا ہے یہاں انسان کی بینائی کا کنٹرول ہوتا ہے۔ اس لیے اگر آدمی کو یہاں پر پیچھے سے مکہ لگے، یا تھپڑ لگے تو پھر اس کی بینائی ضائع ہو جائے گی۔ اسی لیے بعض دفعہ بچے اگر ایسے گریں کہ اس جگہ پر ضرب آ جائے تو ان کی بینائی چلی جاتی ہے۔ تو دماغ کے پچھلے حصے کا تعلق انسان کی بینائی سے ہے۔ اور عجیب بات یہ کہ انسان کے دائیں سائیڈ یعنی

دائیاں پاؤں اور بازو وغیرہ کا کنٹرول انسان کے بائیں سائیڈ والے دماغ میں ہے۔یعنی دماغ کی جو لیفٹ سائیڈ ہے وہ رائٹ حصے کو کنٹرول کرتی ہے اور جو رائیٹ سائیڈ ہے وہ لیفٹ حصے کو کنٹرول کرتی ہے۔یہ عجیب ہے کہ اگر کسی کو فالج اگر ایک ہاتھ پاؤں پر ہوتا ہے تو دماغ کی دوسری سائیڈ کو دیکھتے ہیں اور آپریشن کرتے ہیں۔

برے خیالات کا مرکز سائنس کی روشنی میں:

اب آپ کو میں نکتے کی بات بتاؤں۔کوئی دو مہینے پہلے کی بات ہے، میں امریکہ میں تھا۔وہاں پر ایک انسٹی ٹیوٹ بنا ہوا ہے جسے کہتے ہیں ''برین انسٹی ٹیوٹ آف امریکہ'' یہ ایسا ادارہ ہے کہ وہاں پر سینکڑوں ڈاکٹر کام کرتے ہیں اور ان ڈاکٹروں کا فقط ایک ہی کام ہے کہ دماغ کے اوپر ریسرچ کرتے ہیں۔وہ صبح وشام دوپہر ہر وقت دماغ کے بارے میں بیٹھے ریسرچ کررہے ہیں۔اس برین انسٹی ٹیوٹ نے اپنا ریسرچ پیپر شائع کیا۔ایک میڈیکل ڈاکٹر ہمارے دوست تھے، انہوں نے فوراً مجھے ای میل کر دیا۔میں نے وہ پڑھا تو اس کے اندر بہت عجیب بات لکھی ہوئی تھی۔بات یہ لکھی ہوئی تھی کہ انسان کے دماغ میں وہ حصہ جس میں برے خیالات ہوتے ہیں، عجب کا خیال، تکبر کا خیال، حسد کا خیال، یہ جو اس قسم کے مذمومہ خیالات ہیں، ان کے جذبات دماغ کے جس حصہ میں پیدا ہوتے ہیں، اس حصہ کو سائنسدانوں نے دریافت کر لیا ہے۔ سائنسدانوں نے پتہ یہ چلایا کہ انسان کے دماغ کا جو آگے کا حصہ ہے، یہ خیالات عین اس جگہ میں ہوتے ہیں۔

نفس کی حقیقت:

جب یہ پڑھا تو میں اتنا حیران ہوا کہ اللہ! چودہ سو سال پہلے قرآن اترا، آپ نے بتلا دیا:

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ

ناصیۃ کہتے ہیں یہ جو آگے پیشانی کا حصہ ہوتا ہے، دماغ کا، قیامت کے دن فرشتے یہاں سے پکڑ کر لے کر جائیں گے۔ اور یہاں پر ہمارے مشائخ نے کہا کہ یہ نفس ہے اور اسی کو سجدے کے اندر جھکایا گیا۔ ''میں'' جو تڑوائی گئی تو اس ''میں'' کو توڑنے کے لیے سجدے میں پیشانی کا لگنا ضروری ہے۔ اگر کسی کی پیشانی نہیں لگی لگے گی تو اس کا سجدہ بھی ادا نہیں ہوگا۔ اللہ کی شان دیکھیے کہ ماتھے کا درمیان کا حصہ جسے ناصیۃ کہتے ہیں، اس کے پیچھے دماغ کے وہ خیالات ہیں جس میں تکبر، عجب، حسد، کینہ، بغض، سارا کچھ یہاں پڑا ہوا۔ اسی طرح ہٹ دھرمی جو بندہ کرتا ہے کہ حکم خداوندی پر عمل نہیں کرتا، وہ بھی یہیں پر ہے۔ اور قیامت کے دن فرشتے اسی کو پکڑ کر پیشانی کے بل جہنم میں ڈالیں گے۔ چودہ سو سال پہلے قرآن نے کہہ دیا تھا۔ اگر یہ جگہ پیچھے کی طرف ہوتی تو ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس جگہ کا نام لیتے کہ یہاں سے پکڑ کر لے جائیں گے۔ قرآن اُسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ ان ریسرچ کرنے والوں میں کوئی مسلمان تھا، اس مسلمان ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ دیکھو! ہم نے اب اس کا کھوج نکالا ہے۔ قرآن تو چودہ سو سال پہلے اشارہ کر رہا ہے۔ اس پر وہ سائنسدان بڑے حیران تھے، لکھا ہوا تھا کہ ان میں سے کچھ سائنسدان سوچ رہے ہیں کہ بھئی! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم آج

جس چیز کو ریسرچ کر رہے ہیں، یہ مسلمانوں کو چودہ سو سال پہلے قرآن میں مل گئی؟

زندگی کا اصل مقصد:

تو اللہ نے جو ہمیں عقل کی نعمت دی ہے تو ہم عقل کے اس نور سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے مقصد زندگی کو سمجھیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی پیشانی اپنے رب کے سامنے جھکائیں، اپنے اندر سے تکبر ختم کر کے اپنے رب کے عاجز بندے بنیں، عبادت گزار بندے بنیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ زندگی تو جانور بھی گزار جائیں گے، انسان بھی گزار جائیں گے، فرق یہ ہے کہ جانور کھا پی کر چلے جائیں گے اور انسان کا کھانا پینا ضمنی چیز ہے، حقیقت میں اپنے رب کو راضی کرنا اصل مقصد ہے۔ انسان زندگی ایسے گزارے کہ اپنے مالک کو راضی کرے۔ یہی انسان کی وجہ فضیلت ہے اور اسی کی وجہ سے اس کا درجہ فرشتوں سے بلند ہوتا ہے۔ یہ نعمت ہے جو اللہ نے اس کو عطا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پوری زندگی شریعت و سنت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾

(آل عمران: ۱۸۵)

علم نافع حاصل نہ ہونے کی وجوہات

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
تاریخ: 16 اکتوبر 2012ء بروز جمعہ، ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

علم نافع حاصل نہ ہونے کی وجوہات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾ (المجادلہ:۱۱)
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

علم کی فضیلت:

قرآن مجید کی جو آیت مبارکہ کی تلاوت ہوئی اس میں اللہ رب العزت نے علم کی فضیلت کو بیان فرمایا ہے کہ یہ علم والے لوگ ہیں جن کے درجات کو اللہ تعالیٰ بلند فرمائے گا۔ تو علم کا حاصل کرنا اللہ رب العزت کا فضل اور احسان ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ﴾ (فاطر: ۳۲)

''پھر ہم نے اپنی کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنا دیا جو ہمارے بندوں میں سے چنے ہوئے بندے تھے''

گویا اللہ رب العزت علم کی نعمت ان کو عطا فرماتے ہیں جن کو وہ چن لیتے ہیں۔

ہمارے اکابر علمِ نافع کے حامل تھے:

ہم اپنے اکابر کی زندگیوں کو دیکھیں کہ انہوں نے پوری زندگی علم حاصل کرنے میں اور علم کی خدمت کرنے میں گزار دی۔

✿ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اور میرا ایک دوست دونوں اکٹھے راہ سلوک پر چلے، مگر اللہ نے علم کی بنا پر سلوک پر چلنا میرے لیے آسان کر دیا۔ میں بہت جلدی اپنی منزل تک پہنچا اور میرا دوست راستے میں رہ گیا۔

✿ عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ کی زندگی کی حسرت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میری حسرت یہ ہے کہ میں زندگی کے آخری دن میں بھی علم کو حاصل کروں، گویا علم حاصل کرتا کرتا میں اللہ رب العزت کے حضور پہنچ جاؤں۔

✿ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا جب آخری وقت آیا تو علماء موجود تھے، انہوں نے مسئلہ پوچھا کہ یہ بتائیں کہ جب شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں، وہ پیدل چلتے ہوئے مارنا افضل ہیں یا سواری پر سوار ہو کر مارنا افضل ہیں۔ کچھ شاگردوں نے جواب دیا کہ وہ ماشیًا (پیدل چلتے ہوئے) مارنا افضل ہیں اور کچھ نے کہا کہ راکبًا (سواری پہ سوار ہو کر) مارنا افضل ہے۔ تو اس پر حضرت نے فرمایا کہ نہیں، انہوں نے پھر اس کی تفصیل سمجھائی کہ پہلے دو جمروں کو تو پیدل مارنا افضل ہے اور تیسرے کو جس کے بعد دعا نہیں مانگتے، سواری پر مارنا افضل ہے۔ اس کے بعد نماز کا وقت ہو گیا تو علماء چلے کہ ہم جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، ابھی وہ دروازے تک نہیں پہنچے تھے کہ امام صاحب کی آواز آئی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جب واپس آ کر دیکھا تو امام صاحب اللہ رب العزت کو پیارے ہو

چکے تھے۔ گویا زندگی کے آخری لمحے تک علم کو سیکھا اور سکھایا۔

❁ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث گزرے ہیں، ان کے آخری وقت میں طلبا نے چاہا کہ ہم اپنے استاد کو کلمے کی تلقین کریں۔ لیکن کیسے کریں؟ طلبا نے وہ حدیث مبارکہ پڑھنی شروع کی جس میں کلمے کا ذکر ہے۔ ابھی انہوں نے چند راویوں کے نام لیے تھے کہ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس کرلیا کہ یہ فلاں حدیث پڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت نے وہ حدیث ان کے ساتھ ہی پڑھنی شروع کر دی، حدیث کے الفاظ ہیں:

((مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ))

۔(ابوداود: ۳۱۱۸، باب فی التلقین)

''جس نے آخری الفاظ ''لا الہ الا اللہ'' کہے وہ جنت میں داخل ہوگیا''

چنانچہ حدیث پڑھتے پڑھتے جب انہوں نے یہ الفاظ کہے:

''مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ''

تو انہی الفاظ پر ان کی روح قبض ہوگئی اور وہ Practicaly (عملاً) جنت کے اندر داخل ہو گئے۔ کتنی خوبصورت موت ہے!

❁ دارالعلوم دیوبند کے ایک بڑے محدث اور مفتی گزرے ہیں، ان کے بارے میں آتا ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کے سینے کے اوپر ایک کاغذ رکھا تھا جس پر فتویٰ لکھا ہوا تھا، کسی نے مسئلہ پوچھا تھا۔ اس کو پڑھتے پڑھتے وہ کاغذ ہاتھ سے چھوٹا، سینے پر گرا اور اس حالت میں ان کی روح قبض کر لی گئی۔

آخر یہ لوگ کون تھے کہ آخری لمحے تک ان کو علم کی خدمت کے لیے اللہ نے قبول فرمایا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو علم نافع نصیب تھا۔ آج چونکہ علم نافع نصیب

نہیں ہوتا، اس لیے ہم علم پڑھ تو لیتے ہیں لیکن علم کا رنگ ہمارے اوپر نہیں چڑھتا، علم کے ثمرات ہمیں نصیب نہیں ہوتے، علم کی وجہ سے جو بلندیاں ملنی چاہئیں وہ نہیں ملتیں۔

علمِ نافع حاصل نہ ہونے کی وجوہات

اب ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم نافع حاصل نہ ہونے کی کیا وجوہات ہیں؟ تو آج کی اس مجلس میں یہ عاجز وہ پانچ وجوہات بتائے گا کہ جس کی وجہ سے انسان کو علم نافع نصیب نہیں ہوتا۔

پہلی وجہ

علم سیکھتے ہیں عمل نہیں کرتے

سب سے پہلی چیز ہے علم پر عمل نہ کرنا۔ یعنی انسان کو پتہ ہو کہ شریعت کے یہ یہ احکام ہیں، پھر اس کے باوجود انسان شریعت کو چھوڑ کر رسومات پر بدعات پر عمل کرے تو اس سے پھر علم کے نور سے محروم ہو جاتا ہے۔ فرمایا:

((اَلْعِلْمُ بِلَا عَمَلٍ كَالشَّجَرِ بِلَا ثَمَرٍ)) (مجموع الفتاوی لابن تیمیہ: ۱۳/۲)

''علم بغیر عمل کے ایسے ہوتا ہے جیسے کوئی درخت بغیر پھل کے ہوتا ہے''

اور جو شخص علم پر عمل کرتا ہے، اس کے بارے میں حدیث پاک میں فرمایا:

((مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ))

(تفسیر روح المعانی: ۷۰/۵)

''جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے اللہ اس کو وہ علم بھی عطا فرما دیتا ہے جو اسکے

پاس نہیں ہوتا‘‘

جس طرح چراغ جلے بغیر روشنی نہیں دیتا، اسی طرح علم بھی عمل کے بغیر فائدہ نہیں دیتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ عالم بے عمل کی مثال اس اندھے کی سی ہے جس نے چراغ اٹھا رکھا ہے، لوگ اس کی روشنی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں مگر وہ خود اپنی روشنی سے فائدہ اٹھانے سے محروم ہے۔

قرآن مجید میں ایسے شخص کو جو علم پر عمل نہیں کرتا گدھے کی مثال دی گئی فرمایا:

((کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا))(جمعہ:۵)

’’ایسے گدھے کی مثال ہے جس نے بوجھ اٹھایا ہوا ہو‘‘

اس لیے ایک بزرگ فرما رہے تھے:

’’مجھے دو چیزوں پر بہت تعجب ہوتا ہے، ایک عالم ہو پھر بے عمل ہو اور دوسرا فاسق ہو اور اس کی قبر خوبصورت ہو‘‘

اللہ اکبر!! یعنی علم پر عمل نہ کرنا یہ بھی بڑے تعجب کی بات ہے اور بندہ فاسق و فجر ہو اور اس کی قبر کو پکا اور بہت خوبصورت بنا دیا جائے، یہ بھی بڑی عجیب بات ہے۔

دوسری وجہ

اہل اللہ کی نصیحت سنتے ہیں پیروی نہیں کرتے

دوسری وجہ جس سے کہ انسان کا علم علمِ نافع نہیں بنتا وہ یہ ہے کہ وہ فقرا کی، اہل اللہ کی نصیحت سنتے ہیں مگر پیروی نہیں کرتے۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے کہ اللہ

والوں کی بات کو سننا اور اس کو پلے باندھنا، یہ علم نافع کے حصول کا سبب بنتا ہے۔
کئی مرتبہ دیکھا کہ طلبا اور علما اہل اللہ کی مجالس میں تو آتے ہیں اور ان کے کیمیا اثر کلام کو سنتے ہیں مگر اس کی پیروی نہیں کرتے، اس کے مطابق زندگی کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتے، بلکہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو ذکر فکر کرنے والے لوگ ہیں، ان کو علم سے کیا واسطہ؟ لہٰذا اس وجہ سے وہ علم کی حقیقت سے خود محروم ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت! آپ کو یہ علم کیسے ملا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رازی اور غزالی رحمۃ اللہ علیہم دیکھے ہیں۔ تو انہوں نے پوچھا: وہ کیسے؟ تو انہوں نے اپنے اساتذہ کے نام بتائے کہ ان کو میں نے دیکھا ہے، یہ میرے لیے رازی اور غزالی کی مانند تھے۔

''کُتب بینی'' اور ''قُطب بینی''

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ حضرت! آپ جو اتنی تصانیف لکھتے ہیں تو لگتا ہے کہ آپ بہت کتب بینی کرتے ہیں یعنی بہت کتابیں پڑھتے ہیں۔ تو حضرت نے فرمایا کہ نہیں! میں ''کتب بینی'' نہیں کرتا میں ''قطب بینی'' کرتا ہوں۔ یہ ''قطب''، اولیاء کا ایک مقام ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ کیا مطلب؟ تو فرمایا کہ میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا اور میں نے حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا، یہ وہ حضرات تھے جو اپنے وقت کے قطب تھے، میں نے ان کی زندگیوں کو دیکھا تو میں نے تو قطب بینی کی ہے تو اس سے اللہ نے مجھے یہ درجہ عطا کیا ہے۔

صحبت کے باوجود فیض سے محروم:

ہم اپنی زندگی میں کئی مرتبہ اہل اللہ کے قریب وقت گزارتے ہیں، دیکھتے بھی ہیں کہ

......کس طرح وہ غیبت سے بچتے ہیں؟

......کس طرح وہ اللہ کے شکر گزار بندے ہوتے ہیں؟

......کس طرح ان میں صبر ہوتا ہے؟

......کس طرح حلم ہوتا ہے؟

......کس طرح درگزر ہوتی ہے؟

......کس طرح وہ دوسرے کے احسان کا بدلہ چکاتے ہیں؟

......کس طرح ان کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں؟

مگر ساری چیزوں کو دیکھنے کے باوجود آنکھوں پر پٹی بندھی رہتی ہے۔ ہم یہی سمجھتے ہیں کہ ہم تین ہیں تو تین کے ساتھ چوتھے یہ بھی ہیں، یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ نے ان کو وہ دل عطا کیا ہے جو سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہے اور ان کا دل کبھی بھی اللہ سے غافل نہیں ہوتا۔ اس لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

"اے اللہ! تو جس پر احسان کرتا ہے، اسے اپنے اولیا کی پہچان دے دیتا ہے۔ اور جس سے تو ناراض ہوتا ہے اولیاء کی پہچان اس سے چھین لیتا ہے۔"

چنانچہ ساتھ رہتے ہوئے بھی ان کو عام بندہ سمجھ کر ان کی بات پر عمل نہیں کرتے، جس وجہ سے علم کی رنگ سے محروم ہو جاتے ہیں۔

تیسری وجہ

گناہ کرتے ہیں استغفار نہیں کرتے

علمِ نافع سے محرومی کا تیسرا سبب ہے کہ گناہوں پر استغفار نہ کرنا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو شخص دن میں ستر مرتبہ گناہ کرے، ہر مرتبہ استغفار کرے تو اس بندے کو مصر نہیں کہتے۔ یعنی گناہوں پر اصرار کرنے والا نہیں ہوتا، کیوں کہ اس نے توبہ کرلی۔

بعض بزرگوں نے کہا کہ زبان سے استغفار کرنے والا اور گناہوں پر اصرار کرنے والا اللہ تعالیٰ سے مذاق کرتا ہے۔ پہلا قول بھی ٹھیک دوسرا قول بھی ٹھیک۔ مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول اللہ کی رحمت کے زیادہ قریب ہے۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ

اللہ کی رحمت نیکوکاروں کی رحمت زیادہ قریب ہوتی ہے

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اول گناہوں سے بچیں اور اگر سرزد ہو جائے تو استغفار جلدی کریں۔ چنانچہ قرآن مجید میں فیصلہ فرما دیا:

﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ (النساء: ۱۱۰)

جب اللہ رب العزت نے کوئی حد مقرر نہیں کی کہ میں اتنے گناہوں کو معاف کروں گا، اس سے زیادہ نہیں۔ اتنی مرتبہ توبہ قبول کروں گا اس سے زیادہ توبہ نہیں کروں گا، جب اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتے نہیں تھکتے ہم توبہ کرتے کیوں تھک جاتے ہیں؟ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے گناہوں پر استغفار کریں۔

کھلے در کو چھوڑ کر بند دروازے پر کیوں جائیں؟

ایک بزرگ اپنی کٹیا میں رہتے تھے، اللہ اللہ کرتے تھے۔ایک بادشاہ کو ان سے عقیدت ہوگئی۔ وہ بادشاہ چاہتا تھا کہ یہ اس کٹیا سے آ کر میرے محل کے کمرے میں رہ جائیں اور وہاں پر عبادت کیا کریں۔ایک دفعہ اس نے ان بزرگوں کر بلایا اور انہیں کہا کہ جی! آپ میرے محل میں رہنا شروع کر دیں۔ اب بزرگوں نے ناں تو نہ کی کہ بادشاہ ناراض ہوگا، البتہ حیلہ اختیار کیا۔انہوں نے بادشاہ سے کہا: بادشاہ سلامت! میں آپ کے گھر میں رہنا تو چاہتا ہوں، لیکن اگر آپ مجھے کسی دن دیکھیں کہ میں آپ کے حکم کی نافرمانی کر رہا ہوں، آپ کی حکم عدولی کر رہا ہوں، میں آپ کے خلاف کوئی بات کر رہا ہوں، تو آپ مجھے اس وقت وہ پیار دیں گے، جو آج دے رہے ہیں۔تو بادشاہ کو تو بڑا غصہ آیا، اس نے کہا: میں آپ کو اپنے گھر میں رکھوں اور آپ کہتے ہیں کہ نافرمانی کروں تو میں آپ کو پیار دوں گا؟ میں آپ کو گھر سے نکال دوں گا۔انہوں نے فرمایا: بادشاہ سلامت! آپ کو آپ کا گھر مبارک ہو، ابھی تو میں نے آپ کی کوئی نافرمانی کی ہی نہیں اور ابھی سے آپ کو مجھ پر غصہ آ گیا، میں اس پروردگار کا دروازہ کیوں چھوڑوں؟ جس کے گناہ کا اگر میں مرتکب بھی ہو جاتا ہوں تو وہ پروردگار مجھ پر اپنا دروازہ پھر بھی نہیں بند کرتا۔لہٰذا میں اپنے رب کا دروازہ چھوڑ کر تمہارے دروازے پر نہیں آسکتا۔

واقعی! بات ٹھیک ہے، کسی انسان کو احتمال بتا دے کہ اگر ایسا ہو گیا تو کیا ہوگا؟ تو اسے غصہ آ جاتا ہے۔جب کہ اللہ رب العزت کا معاملہ کتنا کریمانہ ہے کہ بندہ گناہ کر لیتا ہے، اللہ پھر بھی اس کے لیے اپنے دروزے کو بند نہیں

فرماتے، بلکہ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ (النساء: ۶۴)

وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں کے اوپر ظلم کیا جنہوں نے بدکاری کر لی ان کو چاہیے تھا کہ وہ آپ خدمت میں آتے، اے میرے محبوب! وہ بھی استغفار کرتے، آپ بھی ان کی شفاعت کرتے، اللہ رب العزت ان کو بھی تواب اور رحیم پاتے۔

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا حلم:

ایک ایمان والا گناہ کرے وہ تو ایک اور بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حلم کا تو اس سے اندازہ لگائیں کہ جن نصاری نے کہا کہ

﴿اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾ (مائدہ ۷۳)

''اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے،''

یعنی جنہوں نے شرک کیا، جنہوں نے اللہ کی شان میں اتنی گستاخی کی۔

اور پھر یہود، جنہوں نے کہا کہ

﴿يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ﴾ (مائدہ: ۶۴)

اللہ کے ہاتھ تو بندھے ہوئے ہیں، اللہ کے ہاتھ بند ہیں، وہ نہیں دیتا، وہ سخی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ﴾ (مائدہ: ۷۴)

وہ بھی اگر توبہ کرتے اور اپنے گناہوں سے استغفار کرتے میں ان کی توبہ کو بھی قبول کر لیتا۔ اللہ اکبر اللہ جب آپ اتنے مہربان ہیں کہ جو کہیں کہ آپ کے

ہاتھ بند ہیں، آپ نہیں دیتے، ان کو بھی آپ فرماتے ہیں کہ توبہ کرو میں تمہاری توبہ قبول کرلوں گا۔ جو شریک بناتے ہیں، ان کو بھی آپ فرماتے ہیں کہ توبہ کرو میں قبول کرلوں گا۔ اللہ پھر ان ایمان والوں کا تو کیا معاملہ، جو آپ کی واحدانیت پر یقین کرتے ہیں، جو قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ ہاں اپنے نفس کی خرابیوں کی کی وجہ سے وہ غفلت میں پڑ گئے، گناہوں میں پڑ گئے، اگر وہ آپ کے دروازے پر حاضر ہو کر توبہ اور استغفار کریں گے، اللہ آپ ان کی توبہ کو کیوں نہیں قبول فرمائیں گے؟ یہ تو وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں:

﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ (مائدہ: ۶۴)

ہمارے پروردگار کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں، اللہ اپنے کھلے ہاتھوں سے اپنی رحمت ہم پر برسا دیجیے اور ہمارے دلوں کو نور سے بھر دیجیے۔

چوتھی وجہ

نعمتیں مانگتے ہیں شکر ادا نہیں کرتے

چوتھا سبب ہے نعمت کا شکر ادا نہ کرنا۔ چنانچہ اللہ رب العزت جب کسی بندے کو نعمتیں عطا فرماتے ہیں تو وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ میرے بندے میری نعمتوں کا شکر ادا کریں۔

بھلائی کی چار چیزیں:

حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ چار چیزیں دنیا اور آخرت کی بھلائیوں پر مشتمل ہیں۔

①......ذکر کرنے والی زبان

②......شکر کرنے والا دل

③......مشقت اٹھانے والا بدن

④......اور نیک بیوی، بیوی کے لیے نیک خاوند

یہ چار چیزیں وہ ہیں کہ جو انسان کو مل جائیں تو اس کو دنیا آخرت کی ساری بھلائیاں مل جائیں گی۔ اللہ اکبر۔

نعمتوں سے محروم کوئی نہیں:

اب کوئی بندہ یہ سمجھے کہ جی میرے اوپر اللہ کی کیا نعمتیں ہیں؟ میں تو سائیکل چلاتا ہوں ،لوگوں کے پاس تو موٹر سائیکل ہیں، گاڑیاں ہیں، کاریں ہیں، بہاریں ہیں۔ تو بھئی! اگرچہ پیدل چل رہے ہوں، پیدل چلنا بھی تو اللہ کی نعمت ہے۔

ایک صاحب کا جوتا گم ہو گیا، مسجد کی طرف جا رہے تھے تو پاؤں جل رہے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا، کہنے لگے: اللہ! میں تو تیرے گھر سجدہ ریز ہونے کے لیے جا رہا ہوں، آپ نے تو مجھے جوتی بھی نہ دی۔ ابھی وہ یہ الفاظ کہہ ہی رہے تھے کہ ان کو سامنے ایک آدمی نظر آیا، جو دونوں پاؤں سے معذور تھا اور گھسٹتا ہوا زمین پر چل رہا تھا۔ جب اس پر ان کی نظر پڑی تو دل پر چوٹ لگی، کہنے لگے: اوہو! میں تو جوتے کی خاطر شکوے کر رہا تھا، یہ بندہ تو وہ ہے کہ نماز پڑھنے بھی آ رہا ہے، مگر اس کو اللہ نے ٹانگوں کی نعمت بھی عطا نہ کی۔ جب احساس ہوا، تو پھر انہوں نے اپنے گناہ سے توبہ کی۔

ہم سمجھتے ہیں کہ کاریں بہاریں ملنا ہی نعمت ہے، ہمیں اللہ نے جو صحت کی زندگی عطا فرمائی، اسے ہم نعمت ہی نہیں سمجھتے۔ ہمیں اللہ رب العزت نے جو عزت کی زندگی عطا فرمائی، اس کو قیمتی ہی نہیں سمجھتے۔ ہمیں اللہ رب العزت نے اپنے فضل اور کرم سے پیٹ بھر کر کھانے کی توفیق جو عطا فرمائی، یہ بھوک بھی تو اللہ کی نعمت ہے، یہ ٹھنڈے پانی کا آرام سے پی لینا، یہ بھی تو اللہ کی نعمت ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسے آدمی کو دیکھا جو پانی کا گھونٹ اپنے حلق سے نہیں اتار سکتا تھا۔ مجھے اپنی زندگی میں ایک عورت نے فون پر بتایا کہ سات سال گزر گئے، میں روٹی کا ایک لقمہ بھی اپنے منہ میں نہیں لے جا سکی۔ Liquid (مشروب) کے اوپر زندگی گزار رہی ہوں۔ کتنے لوگ ہیں، رات کو سونا چاہتے ہیں نیند نہیں آتی۔

......ہم ٹھنڈے پانی کو نعمت نہیں سمجھتے۔

...... پیٹ بھر کر کھانے کو نعمت نہیں سمجھتے۔

......نیند کو نعمت نہیں سمجھتے۔

......ہم اپنے گھر کو نعمت نہیں سمجھتے۔

یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے!

چنانچہ ایک مرتبہ میں گاڑی میں سفر کر رہا تھا، ایک چوک میں گاڑی رکی میں اپنی آنکھیں بند کیے کچھ مصروف تھا، اچانک کسی نے شیشہ کھٹکھٹایا۔ اچانک آنکھیں کھلیں تو میں نے دیکھا کہ ایک جوان لڑکی دروازہ کھٹکا رہی تھی اور اس نے بھیک مانگنے کے لیے ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے، میں نے آنکھیں تو بند کر لیں مگر میرے دل پر اتنا اثر ہوا کہ یا اللہ! یہ بھی تو کسی کی تو بیٹی ہوگی، کسی کی بہن ہو

گی، کسی کی بیوی ہوگی، کسی کی تو ماں ہوگی۔ اس گرمی کے موسم میں یہ دروازے کھٹکھٹا رہی ہے، محرم غیر محرم سے بھیک مانگ رہی ہے اور پھر جا کر یہ بیچاری شام کو روٹی کھائے گی۔ اللہ! ہمارے گھر کی عورتیں کتنی خوش نصیب ہیں! آپ نے چھت عطا فرمائی، آپ نے نعمتیں دیں، سہولت کے گھر دیے، من پسند کے کھانے بنواتی ہیں، دستر خوان بچھا کر آرام سے کھاتی ہیں۔ اللہ! یہ جو چھت آپ نے عطا فرمائی، کتنی بڑی نعمت ہے۔ لوگ خیمے لگا کر اپنی اولادوں کو وہاں پالتے ہیں، ان کی بھی تو زندگیاں گزرتی ہیں، ہم تو ان چیزوں کو نعمت ہی نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کا شکر ادا کریں، اللہ! آپ نے ہم پر اتنا احسان فرمایا اور ہمیں اتنی نعمتوں سے نوازا۔

نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا طریقہ:

ہم نعمتیں تو مانگتے ہیں، نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا طریقہ نہیں آتا، ہمیں چاہیے کہ جس پروردگار نے اتنی نعمتوں سے نوازا، ہم اس کی خوب تعریفیں کیا کریں۔ ہم دنیا میں اللہ کا خوب محبت سے تذکرہ کیا کریں۔ ع

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں

آج بیوی خاوند کی باتیں کرتے نہیں تھکتی، ماں بیٹے کی باتیں کرتے نہیں تھکتی، بندہ اپنے اللہ کی باتیں کرتا کیوں تھک جاتا ہے؟ جس پروردگار نے ہمیں اتنی نعمتوں سے نوازا، اتنے احسانات کیے، سبحان اللہ!! ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اللہ کے دین کے لیے زندگی گزاریں۔ ع

ہم تو زندہ ہیں کہ دنیا میں تیرا نام رہے

اس طرح اللہ رب العزت کے دین کا کام کریں، یہ اللہ رب العزت کی

نعمتوں کی شکر گزاری ہوگی۔ عام طور پر دیکھا کہ انسان مسائل میں ایسا الجھا ہوا ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے غافل ہو جاتا ہے۔

تمام انبیاء شکر ادا کرنے والے تھے:

آپ انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات کو دیکھیے، زندگیوں کو دیکھیے، سارے کے سارے انبیاء شکر ادا کرنے والے تھے۔

✪ چنانچہ نوح علیہ السلام کو کتنی تکلیف پہنچتی تھی، لوگ پتھروں سے مارتے تھے اور جبرائیل علیہ السلام ان کو کبھی کبھی پتھروں کے نیچے سے نکالتے تھے۔ ایک دو دن کی بات نہیں، نوسو پچاس سال، یعنی تقریبا ایک ہزار سال ان کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا رہا۔ قوم ان کے ساتھ اس قدر بدتمیزی سے پیش آتی تھی، چنانچہ اس کے باوجود وہ فرماتے ہیں:

﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾

(مومنون: ۲۸)

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات عطا فرمائی''

وہ پھر اللہ کی تعریف کر رہے ہیں پھر اللہ کا شکر ادا کر رہے ہیں۔

✪ ابراہیم علیہ السلام کو دیکھیے کہ وہ کتنی مشقتوں بھری زندگی گزار کر نمرود کی آگ میں سے نکل کر آئے، پھر فرماتے ہیں:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ﴾

(ابراہیم: ۳۹)

''سب تعریفیں اللہ کے لیے، جس نے مجھے بڑی عمر میں اسماعیل اور اسحق

(فرزند) عطا کیے‘‘

تو وہ بھی اللہ کی تعریفیں فرمارہے ہیں۔

❁ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام پر تو واقعی عجیب نعمتیں تھیں۔ فرماتے تھے:

﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾
(نمل: ۱۵)

’’سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں فضیلت و بزرگی بخشی اپنے بہت سے ایمان والوں پر‘‘

تو انبیاء کی زندگیوں کو دیکھیں کس طرح وہ الحمد للہ، الحمد للہ، کہہ رہے ہیں۔

اہلِ جنت کا شکر:

اہل جنت جب جنت میں جائیں گے تو پانچ ایسے مواقع ہوں گے کہ جس پر بے اختیار ان کی زبان سے ’’الحمد للہ‘‘ نکلے گا۔ ذرا توجہ کے ساتھ بات سنیے۔

① ...... سب سے پہلے قیامت کے دن جب اللہ کے سامنے سب کھڑے ہوں گے، نیک اور بدا کھٹے ہوں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾ (یسین: ۵۹)

’’مجرمو! آج میرے نیک بندوں سے جدا ہو جاؤ‘‘

پھر وہ اپنے آپ کو دیکھیں گے کہ اللہ نے تو ہمیں نیکوں کے ساتھ ایک طرف کر دیا۔ بے اختیار وہ اس وقت کہیں گے:

﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾

② ...... پھر جب وہ پل صراط پر سے گزریں گے اور دیکھیں گے کہ کتنے لوگ نیچے

جہنم کے اندر گر گئے اور یہ بچ کر دوسری طرف نکل گئے تو یہ کہیں گے:

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدٰنَا لِهٰذَا. وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ أَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ﴾ (الاعراف: ۴۳)

''اور وہ کہیں گے شکر اللہ کا جس نے ہم کو یہاں تک پہنچا دیا ورنہ ہم نہ تھے راہ پانے والے اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا''

تو پھر یہاں بھی اللہ کی تعریف کریں گے۔

③...... پھر تیسرا جب جنت میں ان کا داخلہ ہوگا، اس وقت داخل ہوتے ہی کہیں گے

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ﴾

(زمر: ۷۴)

اس وقت بھی اللہ کی تعریفیں کریں گے۔

④...... اور چوتھا جب جنتیوں کو جنتیوں کے مکانوں میں بٹھا دیا جائے گا اور وہ قرار پکڑ لیں گے اپنے گھر میں تو کہیں گے:

﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾

(فاطر: ۳۴)

⑤...... اور پھر پانچواں جب اللہ رب العزت کی طرف سے ان کو جنت کی نعمتیں ملیں گی اور اللہ کا دیدار نصیب ہوگا، تو پھر کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

''ہم تعریفیں کرتے ہیں اس رب کی جو جہانوں کا پروردگار ہے''

تو پانچ ایسے مقام ہاتھ آئیں گے، جس پر اہل جنت بے اختیار اللہ کی حمد

بیان کریں گے ۔یہی تو اللہ کا شکر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی حمد بیان کرنے کی، کثرت کے ساتھ توفیق عطا فرمائے۔

پانچویں وجہ

میت کو دفن کرتے ہیں عبرت نہیں پکڑتے

اور پانچویں اور آخری بات کہ میت کو دفن تو کرتے ہیں مگر عبرت نہیں پکڑتے ۔ہم نے اپنی زندگیوں میں کتنے جنازے اپنے کندھوں پر اٹھائے کیا قبرستان سے لوٹتے ہوئے یہ نیت کر کے آئے کہ آج کے بعد ہم گناہوں کو چھوڑ دیں گے ۔ہمیں بھی ایک دن اسی طرح قبر میں آنا ہے۔ ہم بھول جاتے ہیں ۔ اللہ اکبر کبیرا!

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو نوجوان اپنے باپ کا جنازہ اپنے کندھے پر اٹھائے ، پھر اپنی زندگی کو نہ بدلے ،وہ سمجھے کہ میرے دل کے اوپر مہر لگ چکی ۔ہم نے تو اپنے قریبی عزیزوں کو دفنایا، کسی نے والدہ کو، کسی نے والد کو، کسی نے بھائی کو، کسی نے بہن کو، کسی نے بیٹے اور بیٹی کو، کسی نے اپنے استاد کو، کسی نے کسی Loved One کو (پیارے) کو اپنے ہاتھوں قبرستان دفن کر بیٹھے تو ہماری اپنی زندگی کب بدلے گی ۔تو ہمیں چاہیے کہ ہم عبرت پکڑیں اور یہ سوچیں کہ ایک دن آنے والا ہے، ہم نے بھی بالآخر قبر میں جانا ہے، اس دنیا میں کوئی ہمیشہ نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ﴾ (انبیاء : ۳۴)

''اے میرے محبوب ! آپ سے پہلے بھی ہم نے کسی کے لئے ہمیشہ رہنا

نہیں لکھا‘‘

جب اللہ کے محبوب بھی اس دنیا سے پردہ کر کے تشریف لے گئے تو ہمیں بھی تو بالآخر ایک دن جانا ہے۔ کیوں نہ ہم اس کی تیاری کر لیں؟ کیوں نہ اس کے لیے آج اپنے آپ کو سنوار لیں؟ اپنے وقت کو قیمتی بنا لیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہمارا علم صحیح معنوں میں علم نافع بن جائے۔ اور اللہ تعالیٰ زندگی کے آخری لمحے تک ہمیں اپنے عبادت گزار، شکر گزار، دین کا کرنے والے بندوں میں شامل فرمائے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ
اللہ کے لیے یہ کام کوئی مشکل نہیں

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ کی دیگر کتب

- خطبات فقیر (۴۲ جلدیں)
- مجالس فقیر (۷ جلدیں)
- حالاتِ فقیر
- قرآن مجید کے ادبی اسرار ورموز
- نماز کے اسرار ورموز
- رہے سلامت تمہاری نسبت
- حیاء اور پاکدامنی
- تصوف وسلوک
- معارف السلوک
- سستی جنت
- اولاد کی تربیت کے سنہری اصول
- سوئے حرم
- میں کہاں کہاں نہ پہنچا تیری دید کی طلب میں
- شرم وحیا
- ایمان کی اہمیت
- علمِ نافع
- زبدۃ السلوک
- کمالات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

- معہد الفقیر الاسلامی ٹوبہ روڈ، بائی پاس جھنگ 0477-625454
- مکتبۃ الفقیر بالمقابل رنگون ہال، بہادر آباد کراچی 0345-2331357
- دار المطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 0696-42059
- ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 7353255
- مکتبہ مجددیہ، الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7231492
- مکتبہ سید احمد شہید 10 الکریم مارکیٹ اردو بارزار لاہور 042-7228272
- مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور 041-7224228
- مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان 061-544965
- مکتبہ دار الاخلاص قصہ خوانی بازار پشاور 091-2567539
- دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی 021-2213768
- علمی کتاب گھر اوجا روڈ اردو بازار، کراچی 021-32634097
- حضرت مولانا گل رئیس صاحب، حضرت قاری سلیمان صاحب (مدظلہم) دار الہدیٰ بنوں
- حضرت مولانا قاسم منصور صاحب ٹیپو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 051-2262956
- جامعۃ الصالحات، محبوب سٹریٹ، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ پشاور روڈ راولپنڈی

0300-834893 , 051-5462347

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد